مجلہ بنات خدیجۃ الکبریٰ 11

BANAT- E- KHADEEJATUL KUBRA



- غزہ کا دردناک قضیہ اور ہمارا امتحان
- جہاد سے دور ہوتے دل
- سوشل میڈیا کے مصلحین و مفکرین

Rabi ul Saani 1447

December 2025

https://umnews.net

فہرست مضامین

اداریہ

فوجی بدمعاشی سے متاثر ہوتے خواتین و بچے

یہ آج اور کل ہی کی بات نہیں ہے بلکہ گزشتہ 20 سال سے زائد عرصہ ہوگیا ہے کہ جب بھی پاکستانی فوج کوئی ایکشن لیتی ہے تو قصداً گھروں، مساجد، بازاروں اور خاص طور پر خواتین و بچوں کو تشدد کا نشانہ بناتی ہے۔ جس سے ان کا مقصد خوف پھیلانا، لوگوں کو نقل مکانی پر مجبور کرنا، اس کی آڑ میں مجاہدین کو بدنام کرنا اور دیگر مذموم مقاصد حاصل کرنا ہوتا ہے۔ مہمند کی تحصیل صافی اور وزیرستان کے خیسور جیسے واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ اگرچہ اس عمل سے پاکستان تو کیا پوری دنیا واقف ہے مگر مین اسٹریم میڈیا سمیت دوسرے لوگوں کے منہ بھی اس لیے بند ہیں کہ وہ یا تو فوجی مظالم، جیسا کہ لاپتہ ہونے اور دہشت گرد قرار دیئے جانے سے خائف ہیں، لاعلم ہیں یا پھر وہ جانتے ہیں کہ ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ وہ صرف طاقت پر یقین رکھتے ہیں۔

حال ہی میں آپ نے سوشل میڈیا پر دیکھا ہوگا کہ آئے روز خیبر، اورکزئی، کرم، باجوڑ، لکی مروت، ڈیرہ اسماعیل خان، شمالی وزیرستان اور جنوبی وزیرستان میں سے کہیں نہ کہیں کسی مسجد، گھر یا کسی اور عوامی مقام کو اس نام سے نشانہ بنایا جاتا ہے کہ یہاں "دہشت گرد" رہتے تھے۔ مارٹر اور میزائل الگ سے خاص طور پر قبائلی علاقوں کا ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔ ان سب میں خواتین اور بچے بچیاں محفوظ نہیں ہیں۔ ریاست کی جانب سے خواتین پر تشدد کے واقعات صرف فوجی آپریشنز میں نہیں ہوتے، بلکہ تھانہ، کوٹ کچہری، نادرا اور دیگر سرکاری مقامات و دفاتر میں بھی ان پر ظلم کیا جاتا ہے، عصمت دری کے واقعات سامنے آتے ہیں اور اس سے بھی آگے بڑھ کر غریب بیوہ و لاچاروں کی تو آواز تک نہیں سنی جاتی، جس کے باعث وہ موت سے بدتر زندگیاں جی رہی ہوتی ہیں۔

کلمہ کے نام پر بنے اس ملک میں، جہاں یہ تصور لے کر قربانیاں دی گئیں کہ اسلامی نظام ہوگا، عزت و آبرو کی حفاظت ہوگی، خاص طور پر خواتین اسلامی نظام کے سائے تلے محفوظ زندگیاں گزاریں گی، مگر یہ سب کچھ ان جابرہ کی عیاشیوں، خواہش پرستیوں، دین سے دوری اور مال و دولت کے شوق کی نذر ہوگیا، بلکہ یہ لوگ خود ہی اپنی رعیت کے خون و عزت کے پیاسے بن گئے۔

جہاد سے دور ہوتے دل

خولہ بنت عمر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدۡ ذَرَأۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرٗا مِّنَ ٱلۡجِنِّ وَٱلۡإِنسِۖ لَهُمۡ قُلُوبٞ لَّا يَفۡقَهُونَ بِهَا وَلَهُمۡ أَعۡيُنٞ لَّا يُبۡصِرُونَ بِهَا وَلَهُمۡ ءَاذَانٞ لَّا يَسۡمَعُونَ بِهَآۚ أُوْلَٰٓئِكَ كَٱلۡأَنۡعَٰمِ بَلۡ هُمۡ أَضَلُّۚ أُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡغَٰفِلُونَ (١٧٩)

اور یقیناً ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جِن اور انسان پیدا کیے ہیں، ان کے دل ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ آیت انسان کے لئے بہت بڑی نصیحت ہے کہ اللہ نے جو دل، آنکھیں اور کان دیے ہیں وہ صرف دنیاوی استعمال کے لیے نہیں بلکہ حق کو سمجھنے، دیکھنے اور سننے کے لیے ہیں۔ اگر کوئی یہ نعمتیں استعمال نہ کرے تو پھر وہ جانوروں سے بھی بدتر قرار پاتا ہے۔

اللہ کی ان دی ہوئی نعمتوں سے حق پہچاننے کے لئے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر پہلو پر گہرائی سے نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں سب سے نمایاں اور روشن پہلو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں شرکت، دشمنوں کو قابو کرنا، اسلام کی سربلندی کے لئے کوشاں رہنا، ہمہ وقت جان و مال کی قربانی کے لئے تیار رہنا، اسلام و مسلمانوں کی عزت وآبرو کی حفاظت، ان کے دین وعقیدے کی حفاظت اور ہر وہ سبب جو دینِ اسلام پر منفی اثرات ڈالتا ہو اسے ختم کرنا ہے۔ مسلمانوں کو ایسا پلیٹ فارم تیار کر کے دینا جس میں وہ دینِ اسلام پر آسانی سے چل سکیں، ہر حق والے کو اس کے حقوق حاصل ہوں، اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون نافذ ہو، اسی فکر میں رات اور دن کی تخصیص کے بغیر محنت کرنا یہ اصل مقصد رہا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس حیات کا۔

غزوہ اُحد سے واپس ہوئے تو پتہ چلا دشمن پھر اکھٹے ہو رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دوبارہ نکلنے کے لئے کہا، بلکہ یہ اعلان کروایا کہ شرکائے احد ہی نکلیں گے (جو زخمی حالت میں تھے، ستر صحابہ کی شہادت کا غم اٹھائے ہوئے تھے) تاکہ دشمن مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر مزید شرارتوں اور تکلیف دینے کی کوشش نہ کرے۔

غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا سب سے روشن پہلو دین کی سربلندی کے لئے طاقت کا استعمال کرنا، حسبِ استطاعت طاقت بڑھانا، اس سے دشمن کو مرعوب کرنا اور اس کی ترغیب دینا ہے، بلکہ دشمن پر رعب ڈالنے کو پسندیدہ عمل فرمایا۔

حضرت ابو دُجانہ رضی اللہ عنہ اپنی ننگی کھینچی ہوئی تلوار کے ساتھ غزوہ اُحد کے دن نکلے اور تکبرانہ انداز یعنی للکار اور رعب کے ساتھ چلتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے تھے:

میں وہ شخص ہوں جس سے میرے خلیل یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ لیا تھا جب ہم کھجوروں کے باغ کے قریب میدان میں تھے کہ اللہ اور رسول کے حکم سے تلوار چلاؤں گا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ چال اور انداز اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہے، مگر صرف اس موقع پر، یعنی جہاد کے میدان میں دشمن کے مقابلے پر یہ پسندیدہ ہے۔

یہ روایت بتاتی ہے کہ عام حالات میں غرور اور تکبر اللہ کو ناپسند ہے، لیکن میدانِ جنگ میں دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے ایسا انداز اختیار کرنا جائز اور پسندیدہ ہے۔

اللہ نے مسلمانوں کی عزت اسی میں رکھی ہے۔ قرآنِ کریم کی سیکڑوں آیتوں اور احادیث مبارکہ سے اس کی فضیلت واہمیت ثابت ہونے کے باوجود امت اس گوشے سے صرفِ نظر کر چکی ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طرح سے ذلت ورسوائی اس کا مقدر بن چکی ہے۔ جہاد چھوڑ دینے کا سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ امتِ مسلمہ عقل و خرد کھو بیٹھی، حق و باطل کو پہچاننے والی نظر مفقود ہوگئی، ہر کس و ناکس دین کے ساتھ کھلواڑ کرنے لگا، نکمّے رذیل بے علم بطورِ رہنما اپنے مریدوں کا حلقہ وسیع کرنے لگے۔

امت سے شعور ختم ہو گیا، اندھا پن غالب آگیا، ہر طرف بے حسی، خود غرضی، مفاد پرستی کا دور دورہ ہو گیا۔ لوگوں کا دین خطرے میں پڑ گیا، عبادتیں ضائع ہو رہی ہیں، مال ضائع ہو رہا، صلاحیتیں رائیگاں ہو رہی ہیں، کوئی بھی جاہل آتا ہے اور انہیں دین کے نام پر لوٹ لیتا ہے۔

ذاتی، سماجی، سیاسی، غرض ہر طرف بگاڑ ہی بگاڑ ہے۔ عورتوں کے حقوق روندے جارہے ہیں، اسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ عورت باغی ہو کر دینِ اسلام سے متنفر ہوگئی۔ علمِ وراثت کا اٹھ جانا، زکوٰۃ کی غیر منصفانہ تقسیم، سودی نظام کا رواج، ہندوانہ رسم ورواج اور ہندوانہ نظریات سے متاثر ہو کر انہیں ذاتی زندگی میں اپنانا... غرض ہر طرح سے تباہی ہی تباہی ہے۔

اس سب بگاڑ کا بنیادی سبب ترکِ جہاد ہے۔ ترکِ جہاد کی نحوست یہ ہے کہ

امت، امت نہیں رہی، یہ مختلف علاقوں، ممالک، رنگ و نسل، ثقافت کے نام پر متفرق ہو گئی۔ اس کا اپنا کوئی اصل نہ رہا، نقالی اس کا شیوہ بن گئی۔ نام نہاد فرعونوں سے مرعوبیت، حق سے پیچھے ہٹ جانا، امت پر ظلم ہوتا ہوا دیکھ کر چپ ہو جانا...

چند سال پہلے افغانستان میں امریکہ نے ظلم کی انتہا کر دی تھی، لاکھوں مرد و عورتیں اور بچے شہید کر دیے، کئی بستیاں ویران ہو گئیں۔ ملک شام کا بھی یہی حال رہا۔ غزہ ان ہی حالات سے کئی دہائیوں سے گزر رہا ہے۔ قبائل و بلوچستان بھی اسی صلیبی جنگ کی نذر کیے جا رہے ہیں۔

یہ ظلم بڑھتا جا رہا ہے، کوئی مظلوموں کے لئے آواز نہیں اٹھاتا، کوئی دینِ اسلام و مسلمانوں کی بقا کے لئے نہیں اٹھتا، اِلّا ماشاءاللہ، جو باطل سے ٹکراتے ہیں، اپنی قلتِ تعداد و سامان کے باوجود میدان کے شہ سوار بننے کو ترجیح دیتے ہیں۔ امت ان پر بھی کما حقہ اعتبار نہیں کرتی، ان کو مضبوط نہیں کرتی، ان کے لئے دلوں میں ہمدردی نہیں رکھتی، ان کی مدد نہیں کرتی، کسی طرح کا تعاون نہیں کرتی، بلکہ کفار کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر انہیں دہشت گرد کہنے لگتی ہے۔

یاد رہے مجاہدین کے لیے ‹‹دہشت گرد›› کا لفظ سب سے پہلے بش نے صلیبی جنگ کے اعلان کے وقت استعمال کیا تھا۔

اسی طرح آج کل سرکاری مفتیوں کی شہ پر پاکباز اور خدا کے محبوب لشکر مجاہدین کے لیے ‹‹خوارج›› کا لفظ استعمال کرنا شروع کیا ہے۔ حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو اس اصطلاح کو بغیر سوچے سمجھے مجاہدین کے لئے، چوروں لٹیروں اور امریکی چوکیداروں کے مقابل اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

امت کے دشمن جرنیل، جن کی عیاشیوں کی طویل تاریخ ہے، ان کے ظلم اور امریکی چاکری پر زبان سے نہ کوئی لفظ نکلتا ہے، نہ ہی کوئی ان پر فتوے کی جرأت ہوتی ہے۔ الٹا ان کے مقابل اللہ کے دین کا جھنڈا بلند کرنے والوں پر طرح طرح کی اصطلاحات استعمال کرنا یقیناً شرمناک ہے۔

میں دکھ محسوس کرتی ہوں کہ کس طرح خالقِ حقیقی کی دی ہوئی جان کو اس کی راہ میں قربان کرنے کے جذبے کو پروان چڑھانے کے بجائے جان بچانے کے بہانے تلاش کئے جاتے ہیں۔ جہاد کی تاویلات کی جاتی ہیں، امت کو متنفر کیا جاتا ہے، انہیں متبادل دکھایا جاتا ہے۔ عیش پرستی کا شکار امت ان بے غیرت دنیا پرست رہنماؤں کی مدّاح سرائی میں لگی رہتی ہے، ان کو خوش کرنے میں اور نفس کو دھوکہ دینے میں لگی رہتی ہے کہ ہم بھی دین کے محافظ ہیں۔

بزدلی انتہا کو پہنچ رہی ہے۔ افغانستان کے جہاد سے بھی انہوں نے سبق نہیں سیکھا اور نہ ہی غزہ کی ثابت قدمی ان کے بھٹکتے قدموں کو راہِ راست پر لا سکی۔

غرض جہاد کے ترک کرنے کے اتنے نقصانات ہیں جن کو قلم بند کرنے کی سکت میں اپنے اندر نہیں پاتی، جذبات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجزن ہے، مگر ان جذبات کو کما حقہ الفاظ کا جامہ پہنانے کے لئے لفظوں کا ذخیرہ نہیں پاتی۔

بس اتنا کہوں گی:

خدا کے لئے بزدلی کا بگل مارے، مصلحت کا لبادہ اوڑھے رہنماؤ! جاگ جاؤ... یا جاگ کر بھی دوبارہ آنکھیں بند کر لیں گے یہ سوچ کر کہ ابھی پوری طرح تباہی نہیں آئی، تھوڑی اور تباہی آنے دو۔

تو ادھر ادھر کی نہ بات کر، یہ بتا کہ قافلہ کیوں لُٹا؟
مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں، تیری رہبری کا سوال ہے۔

اِلی اللہ المشتکی

جب آزمائشوں کے بادل چھا جائیں

اخت ضرار

جب آزمائشوں کے بادل چھا جائیں تو راستے اندھیروں میں گم ہو جاتے ہیں۔ قدم ڈگمگانے لگتے ہیں، قلوب خوف سے بھر جاتے ہیں۔ مگر ان گھنی تاریکیوں میں بھی ایک چراغ جلتا ہے، وہ چراغ اللہ کی یاد کا ہے، وہ چراغ امت کے لیے کھڑے ہونے کا ہے۔

قومیں ہمیشہ آزمائشوں کے طوفانوں سے گزرتی ہیں۔ کبھی یہ طوفان اندرونی کمزوریوں کی صورت میں آتے ہیں، کبھی دشمن کے حملوں کی شکل میں اور کبھی غفلت اور لاپرواہی کا زہر بن کر دل و دماغ کو مفلوج کر دیتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ نجات کا راستہ کہاں ہے؟ اس کا جواب صرف ایک ہے: اللہ کے لیے اٹھ کھڑا ہونا اور امت کے لیے جینا۔ سعادت والی زندگی جینے کے لیے اپنے رب پر پختہ ایمان کا ہونا ضروری ہے اور ایمان کی بنیاد اللہ پر بھروسہ ہے۔ جب انسان توکل کو زادِ راہ بنالیتا ہے تو سمندر راستہ دے دیتے ہیں اور پہاڑ سر جھکا دیتے ہیں۔ یہی توکل حضرت ابراہیمؑ کو آگ کے الاؤ میں بھی بے خوف کھڑا رکھتا ہے، یہی توکل حضرت موسیٰؑ کو سمندر کے کنارے مطمئن کر دیتا ہے اور یہی توکل آج بھی امت کے ہر فرد کو مضبوط کر سکتا ہے۔

ساتھ اپنا محاسبہ کرتے رہنے اور گناہوں کے بعد توبہ کرکے اپنے رب کی طرف رجوع کرنا مومن کے اعلیٰ اوصاف میں شامل ہے۔ توبہ دل کی صفائی ہے اور نیت کی روشنی کا چراغ ہے۔ اگر دل گناہوں کی گرد سے بوجھل رہے تو روشنی کا راستہ کبھی نہیں کھلتا۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے دل کو ہر روز توبہ کے پانی سے دھوئیں اور اپنی نیت کو اخلاص کی روشنی سے جگمگائیں۔ تاریخ کی سب سے بڑی فتوحات تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاص کی طاقت سے حاصل ہوئیں۔

اسلاف کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ راہِ عزیمت پر چلنے والے ایمان، توکل، صبر اور استقامت سے اس راہ پر ڈٹے رہے، جنہیں ازبر تھا کہ فتح مادی ہتھیاروں سے نہیں ہوتی۔ فاتحین ایک طرف میدانِ کارزار میں تلوار، نیزے چلاتے تو دوسری طرف دعا کا مبارک ہتھیار ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ دعا وہ دروازہ ہے جو کبھی بند نہیں ہوتا۔ میدانِ بدر میں جب چند کمزور مسلمان اللہ کے سامنے گڑگڑائے تو آسمان کے فرشتے ان کی مدد کو اترے۔ آج بھی اگر ہم اپنی کمزوریوں، اپنے زوال اور اپنی آزمائشوں کو اللہ کے حضور پیش کریں تو یقیناً مدد کے دروازے کھلیں گے۔

دعاؤں میں بڑی تاثیر والی دعا «لا حول ولا قوۃ الا باللہ» ہے۔ یہ صرف الفاظ نہیں، یہ کمزور کو طاقت دینے والا سہارا ہے۔ یہ کلمہ دل کو حوصلہ دیتا ہے، ذہن کو یکسوئی بخشتا ہے اور مومن کو یہ یقین دلاتا ہے کہ اصل قوت صرف اللہ کی ہے۔

ساتھ تعلق بالقرآن کامیابی کا ایک نایاب راز ہے۔ امت جب بھی زوال پذیر ہوئی، تب قرآن جیسی آفاقی اور انقلابی کتاب کی تعلیمات سے ہی نوجوان اندھیروں سے نکل کر توحید کی روشنی کی طرف بڑھے اور امت کا سہارا بنے۔ قرآن محض ایک کتاب نہیں، یہ امت کا لنگر ہے۔ کشتی جب طوفان میں پھنسے تو لنگر اسے سہارا دیتا ہے۔ امت کے دل بھی اسی وقت سہارا پاتے ہیں جب وہ قرآن سے جڑتے ہیں۔ افسوس کہ آج ہم نے اس لنگر کو چھوڑ دیا ہے، اسی لیے ہماری کشتی بھٹک رہی ہے۔ نجات اسی میں ہے کہ ہم قرآن کی تلاوت کو عادت، اس کے معانی پر غور کو ذمہ داری، اور اس کے احکام پر عمل کو مقصد بنالیں۔

قرآن پاک کی تعلیمات میں تدبر و تفکر کرنا، اس کا علم حاصل کرنا، احادیث، فقہ، تاریخ اور دیگر علومِ دینیہ سے تعلق قائم کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ دراصل علم ہی قوموں کو زندہ رکھتا ہے۔ یہ علم ہی تھا جس نے ایک چھوٹی سی امت کو دنیا کی قیادت پر بٹھا دیا۔ مگر جب ہم نے علم کو چھوڑا تو قیادت بھی چھن گئی۔ آج ضرورت ہے کہ نوجوان اپنا وقت فضولیات میں برباد کرنے کے بجائے مطالعہ اور تحقیق میں لگائیں۔ ایک پڑھا لکھا، بیدار اور باشعور نوجوان پوری امت کا مستقبل بدل سکتا ہے۔

اور علم عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ علم پر عمل کرنے اور علم کا نور لینے کے لیے لغویات اور فضول مشاغل کا ترک کرنا ضروری ہے، جن میں سرِ فہرست موبائل کی لت، بے کار مشاغل اور لایعنی بحث و مباحثے میں وقت کا ضیاع ہے۔ یہ سب ہمیں اندر سے کھوکھلا کر رہے ہیں۔ نجات اسی میں ہے کہ ہم ان زنجیروں کو توڑ ڈالیں، اور اپنے دن و رات کو اللہ کے ذکر، قرآن کی تلاوت اور بامقصد کاموں کے لیے وقف کریں۔

اور سب سے بڑھ کر مقصد اور کیا ہوگا کہ ہماری زندگی کا محور امت کے رستے ہوئے زخموں پر مرہم رکھنا ہو، مسلم خطوں کی کفار سے بازیابی اور عدل و انصاف کا نظام قائم کرکے امتِ مسلمہ کو عزت و وقار کے ساتھ اسلامی نظام کے سائے تلے لانا ہو۔ جب مسلمانوں کی سرزمین ہر طرف لہو لہو ہو، تب ہماری زندگی صرف ہماری ذات کے لیے اور اپنے اہل و عیال تک محدود کیسے ہو؟ اگر ہر فرد صرف اپنے دکھ کو دیکھے گا تو امت کبھی نہیں اٹھ سکے گی۔ اصل کامیابی یہ ہے کہ ہم امت کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھیں۔ جیسے ایک جسم کا زخم پورے بدن کو تکلیف دیتا ہے، ویسے ہی ایک مومن کو اپنے بھائی کا دکھ

بے چین کر دینا چاہیے۔ یہی احساس ہمیں امت کے لیے کھڑا کرتا ہے۔
یہ دنیا عارضی ہے۔ اس کے دکھ اور خوشیاں سب عارضی ہیں۔ اصل کامیابی وہ ہے جو اللہ کے لیے ہو۔ اللہ کی راہ میں جینا سعادت ہے، اور اسی راہ میں مر جانا عزت ہے۔ تاریخ میں وہی نام باقی رہے جو اللہ کی رضا کے لیے اٹھے۔ باقی سب وقت کی دھول میں گم ہو گئے۔ لہٰذا ہمیں بیدار ہونا ہے اور اپنے ارد گرد لوگوں کو دعوت دے کر بیدار کرنا ہے۔

سوائے مسلمانو!

وقت ہے کہ جاگ اٹھو، غفلت کی نیند کو توڑ دو، فضولیات کو چھوڑ دو اور اپنے دل کو قرآن اور ذکر سے زندہ کرو۔ اپنے قدموں کو علم کے راستے پر ڈالو، اور اپنی نیت کو خالص کرو۔ امت کے لیے اٹھو، اللہ کے لیے اٹھو! زندگی کا اصل مقصد یہی ہے: اللہ کے لیے جینا اور اللہ کے لیے مرنا۔ یہی نجات ہے، یہی سعادت ہے، یہی کامیابی ہے۔
یاد رکھو! نجات کا راستہ نہ دولت میں ہے، نہ طاقت میں، نہ شہرت میں۔ نجات کا راستہ صرف اور صرف اللہ کی رضا میں ہے۔ جو اللہ کے لیے اٹھے گا وہ کبھی ہارے گا نہیں اور جو امت کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھے گا، وہ کبھی تنہا نہیں رہے گا۔

انبیاءِ کرام کے سفرِ صبر و امتحان

حکایتی نظم

ام عقبہ

(آدم علیہ السلام)

دنیا بسانے کی لگن کے لئے
کسی حوا کو منانے کے لئے
وقت کے در سے گزرنے کو
کسی شجر کا پھل گنوانا پڑتا ہے

(شیث علیہ السلام)

راہِ تقویٰ دکھانے کے لئے
ہابیل کی سمت جانے کے لئے
ابنِ آدم کو ہر حال میں یہاں
دنیا کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے

(ادریس علیہ السلام)

لکھائی کا دستور عام کرنے کے لئے
جہالت کی تاریکی مٹانے کو
روشنی بن کر جلنا پڑتا ہے

(نوح علیہ السلام)

نسلِ انسانی کے سفر کے لئے
کسی رشتے سے جدا ہونے کے لئے
سفینۂ خواب تراشتے ہوئے
کسی طوفاں سے نمٹنا پڑتا ہے

(ہود علیہ السلام)

قوم عاد کو سمجھانے کے لئے
غرور کے نشے کو مٹانے کے لئے
آٹھ دن اور سات راتوں تک
آندھی کا عذاب سہنا پڑتا ہے

(صالح علیہ السلام)

قومِ ثمود کو جگانے کے لئے
شرک کی زنجیر مٹانے کے لئے
نشانِ رب کی حفاظت کی خاطر
مخالفت کا بوجھ سہنا پڑتا ہے

(ابراہیم علیہ السلام)

ملتِ حنیف کا نشان بنانے کے لئے
نسلِ ہاشم کے لئے قبلہ بنانے کے لئے
توحید کی صدا بلند کر کے
کسی نمرود کی آگ میں اترنا پڑتا ہے

(لوط علیہ السلام)

اہلِ ایمان کو بچانے کے لئے
بے حیائی کی جڑ مٹانے کے لئے
ایمان پر ڈٹے رہنے کی خاطر
رشتوں کا دھوکا کھانا پڑتا ہے

(اسماعیل علیہ السلام)

زمزم کو پانے کے لئے
کسی صحرا کی وادی کو بسانے کے لئے
ویرانے کی تپش سہہ کر
حکمِ خدا پر سر جھکانا پڑتا ہے

(اسحاق علیہ السلام)

بوڑھے والدین کو خوشخبری دینے کے لئے
نسلِ ابراہیمی کو قائم کرنے کے لئے
عبادت و تقویٰ میں ڈھل کر
صبر و دعا کی راہ اپنانا پڑتا ہے

(یعقوب علیہ السلام)

پسرِ محبوب کی جدائی سہنے کے لئے
آنکھوں کی بینائی کھونے کے لئے
شب و روز اشک بہا کر
صبرِ جمیل نبھانا پڑتا ہے

(یوسف علیہ السلام)

کسی مصر کا عزیز بننے کے لئے
مکرِ نِسواں کے جال سے بچنے کے لئے
یعقوب کے صابر فرزند کو
تہمت و زنداں کا داغ سہنا پڑتا ہے

(ایوب علیہ السلام)

سب کچھ گنوا کر قربِ الٰہی کی چاہ کے لئے
صبر و شکر کا علم بلند کرنے کے لئے
جسم و جان کے زخم سہہ کر
ایماں و وفا نبھانا پڑتا ہے

(ذوالکفل علیہ السلام)

ذوالکفل کو وفا نبھانے کے لئے
حق کی راہ اپنانے کے لئے
عہدِ الٰہی کو سنبھالنے کی خاطر
صبر و عدل اٹھانا پڑتا ہے

(یونس علیہ السلام)

ذوالنون کا لقب پانے کے لئے
قوم کو اپنا بنانے کے لئے
آزمائش کے سمندر میں اتر کر
کسی مچھلی کا لقمہ بننا پڑتا ہے

(شعیب علیہ السلام)

مدین کے باسیوں کو بیدار کرنے کے لئے
ناپ تول میں کمی رکوانے کے لئے
سود خوری سے بچانے والے کو
ظلم و تکبر کے خلاف کھڑا ہونا پڑتا ہے

(موسیٰ علیہ السلام)

جلوہ گاہِ ناز کو پانے کے لئے
منّ و سلویٰ سے خوان سجانے کے لئے
طور کے شوقِ دید میں اکثر
بنو اسرائیل سے الجھنا پڑتا ہے

(ہارون علیہ السلام)

نفاذِ دین کے لئے
بت شکن ہونے کے لئے
قوم کی نافرمانی سہہ کر
بھائی کا بازو بننا پڑتا ہے

(خضر علیہ السلام)

رازِ زندگی پانے کے لئے
معرفتِ الٰہی تک پہنچنے کے لئے
لوگوں کی توقعات کے برخلاف ہو کر
عقل و خرد کو خدا کے سپرد کرنا پڑتا ہے

(یوشع علیہ السلام)

سرزمینِ انبیاء کی فتح کے لئے
شاگردِ موسیٰ ہونے کے لئے
انصاف کا پرچم لہرا کر
حوصلے کے ساتھ میدانوں میں اترنا پڑتا ہے

(شمعون علیہ السلام)

قوم کے سوئے ہوئے دلوں کے لئے
راہِ حق کی روشنی دکھانے کے لئے
انصاف اور ایمان کی تعلیم دیتے ہوئے
خدائے بزرگ و برتر کے
لئے جان قربان کرنا پڑتا ہے

(حزقیل علیہ السلام)

قوم اسرائیل کی حق کے لئے
ظلم و انکار کے پہاڑوں
سے ٹکرانے کے لئے
تنہائی و مخالفت سہتے ہوئے
حق کی روشنی سے دلوں کو منور کرنا پڑتا ہے

(الیاس علیہ السلام)

قومِ بعل کو ہدایت دینے کے لئے
فرمانِ الٰہی جاری کرنے کے لئے
مخالفت اور انکار سہہ کر
صبر و استقلال کا مینار بننا پڑتا ہے

(الیسَع علیہ السلام)

ایمان کی جانب رغبت دلانے کے لئے
راہِ حق پر گامزن ہونے کے لئے
مشکلات کے پہاڑوں سے ٹکرا کر
رضائے الٰہی حاصل کرنا پڑتا ہے

(شمویل علیہ السلام)

کسی قاضی کے رتبے پر فائز ہونے کے لئے
والدہ کی دعا کی قبولیت کے لئے
قوم کی قیادت کرتے ہوئے
صبر و حکمت کا پیکر بننا پڑتا ہے

(داود علیہ السلام)

وہ سوزِ دروں پانے کے لئے
پرندوں کو نغمہ سنانے کے لئے
مسندِ حق سنبھالنے کو
طالوت کے لشکر سے ٹکرانا پڑتا ہے

(سلیمان علیہ السلام)

قدس کی محبت کے لئے
سلطنت میں عدل قائم کرنے کے لئے
چرند، پرند اور جن و انس کو بسا کر
تاج و تخت کا فرض نبھانا پڑتا ہے

(شعیا/اشعیا علیہ السلام)

قوم کو توحید کی راہ دکھانے کے لئے
ظلم و بت پرستی کے خلاف
کھڑا ہونے کے لئے
صبر و شکیب سے مخالفت سہتے ہوئے
حق کی روشنی ہر دل میں پھیلانا پڑتا ہے

(ارمیاء/یرمیاہ علیہ السلام)

قوم کی نافرمانی کو سدھارنے کے لئے
غلط راستوں سے پلٹانے کے لئے
تنہائی، طعن اور تشدد سہتے ہوئے
ایمان و عدالت کا پیغام پہنچانا پڑتا ہے

(دانیال علیہ السلام)

شرک و فساد کے طوفان
میں ڈٹے رہنے کے لئے
بادشاہوں کے سامنے حق کہنے کے لئے
مصیبت و قید و عذاب سہتے ہوئے
صبر و حکمت سے دین
کی حفاظت کرنا پڑتا ہے

(عزیر علیہ السلام)

گمراہوں کو سدھارنے کے لئے
حق کی تعلیم دینے کے لئے
تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے
اللہ کے وعدے کو نبھانا پڑتا ہے

(زکریا علیہ السلام)

بڑھاپے میں کسی یحییٰ کی
بشارت پانے کے لئے
انقطاع، دعا و گریہ زاری کے لئے
عمرِ رواں کے آخری حصے میں
اشک بہا کر جینا پڑتا ہے

(یحییٰ علیہ السلام)

راہِ حق کے چراغ جلانے کے لئے
بچپن میں ہی حکمت پانے کے لئے
ظالموں سے بے خوف ہو کر
سینہ خنجر پر سجانا پڑتا ہے

(عیسیٰ علیہ السلام)

روح اللہ کو عزت پانے کے لئے
مائدۂ سماوی لانے کے لئے
معجزہ گر ہو کر بھی آخر
بے پدر ہونے کا طعنہ سہنا پڑتا ہے

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم)

پیغامِ حق کو ہر گوشے تک پہنچانے کے لئے
رحمتؐ للعالمین بننے کے لئے
ہجرت کا غم سہہ کر
غارِ حرا میں بسیرا کرنا پڑتا ہے
تمام عالم کے لئے نورِ ہدایت بننے کے لئے
ختمِ نبوت کا تاج پہننے کے لئے
صادق و امین کا لقب پا کر
طائف و اُحد میں لہولہان ہو کر
خندق میں اترنا پڑتا ہے

غزہ کا دردناک قضیہ اور ہمارا امتحان

ام مریم

ملبے پر ہڈیوں کی تلاش میں گھومتا بچہ نجانے کس رشتے کی ہڈیوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔ شاید ان ہڈیوں کو جس نے اسے نو ماہ تک اپنے کوکھ میں سینچا، پھر اسے دنیا میں لاتے وقت موت و زندگی کی کشمکش سے گزری۔ جب اس ننھے وجود نے اس دنیا میں آنکھیں کھولیں تو اس نے بہت محبت سے اسے اپنے گلے لگاتے ہوئے رضاعت کروائی ہوگی، اس کی پرورش کے لئے دن رات ایک کیے ہوں گے، اس کی بیماری پر راتوں کو تڑپ کر جاگتی رہی ہوگی، اس کی صحت کے لئے اللہ سے ڈھیروں دعائیں مانگی ہوں گی۔

اسی ماں کی ہڈیوں کی تلاش میں آج وہ اس ملبے پر دربدر پھر رہا تھا۔۔۔

یا شاید وہ اپنے اس شفیق والد کی ہڈیوں کی تلاش میں تھا جس کی وجہ سے وہ اس دنیا میں آنے کا سبب بنا۔ وہ والد جس نے اس کی پیدائش کی خبر سن کر بہت سارے خواب آنکھوں میں سجائے ہوں گے، اپنے حصے کی تھکن کو بھلا کر دن رات ایک کر کے اس کے لئے خوشیاں خریدی ہوں گی، اسے اپنا توانا بازو محسوس کیا ہوگا، اپنے لئے بڑھاپے کی ایک مضبوط لاٹھی سمجھا ہوگا۔ شاید ملبے پر گھومتا یہ بچہ اپنے اسی مہربان والد کی گود کی تلاش میں ہوگا کہ دنیا کی تھکن سے نڈھال ہو کر اس میں پناہ لے سکے۔

یا شاید یہ بچہ اپنی اس بہن کی ہڈیوں کی تلاش میں ہوگا جس نے اس کی پیدائش کا بے صبری سے انتظار کیا ہوگا؛ کہ کب یہ ننھا وجود اس دنیا میں آئے۔ جب وہ آیا ہوگا تو اس نے بڑی بے تابی سے ہمک کر اسے گود میں اٹھایا ہوگا، خوب بھینچ بھینچ کر پیار کیا ہوگا، اس کے ماتھے پر محبت بھرا بوسہ دیا ہوگا، اس کا ہر طرح سے خیال رکھا ہوگا، اس کی ذرا سی تکلیف پر راتوں کو اس کی ماں کے ساتھ جاگتی ہوگی، اس کے قدم اٹھانے پر اسے اپنے ساتھ گھماتی، اسے لوریاں سناتی رہی ہوگی۔ شاید وہ اپنی اس ماں جیسی بہن کی ہڈیوں کی تلاش میں سرگرداں ہوگا۔

یا ممکن ہے وہ اپنے اس بھائی کی ہڈیوں کی تلاش میں گھوم رہا ہو جس نے اس کے آنے پر اپنے آپ کو طاقتور محسوس کیا ہوگا، دوستوں میں بڑے فخر سے کہا ہوگا کہ آج میرا بھائی، میرا دوست، میرے والدین کے وجود کا ایک حصہ اس دنیا میں آیا ہے۔ جو بڑے فخر سے اسے دوستوں کو دکھانے کے لئے باہر لے کر جاتا ہوگا، جو اپنے حصے کی پاکٹ منی جمع کر کے اس کے لئے پسندیدہ کھلونے لاتا ہوگا، اس کی بھوک پر اپنا لنچ دے دیتا ہوگا۔۔۔

غزہ کے اس کھنڈر عمارت کے ڈھیر پر چلتے ہوئے اپنے بھائی کی ہڈیوں کو جمع کرتا ہوگا، جیسے کبھی یوسفؑ نے انتظار کیا تھا کہ بھائی انہیں کنویں کی تنہائی سے نکالیں گے۔ مگر یہاں اس بچے کے لئے کوئی نہیں۔

یہ ایک غزہ کے بچے کی کہانی نہیں؛ بلکہ غزہ میں رہنے والے ہر اس انسان کی کہانی ہے جو اس ظلم کو دنیا میں دیکھ رہا ہے۔ اربوں کھربوں مسلمانوں کی موجودگی میں شہرِ انبیاء کا ایک حصہ خون آلود ہے، زخمی ہو کر سب کے سامنے تڑپ تڑپ کر اپنے بچوں کی قربانیاں دے رہا ہے، لیکن مجال ہے ہم میں سے کوئی ہوش میں آئے۔

میں حکمرانوں سے کس چیز کا گلہ کروں؟ میں امراء کے طبقے سے کس بات کا شکوہ کروں؟

مجھے تو اپنی بہنوں سے گلا ہے جو ویڈیوز اور خبریں دیکھ کر کہتی ہیں:

''ہم کیا کریں؟ ہم تو کچھ نہیں کر سکتے، ہم بے بس ہیں۔'' جب انہی بہنوں سے کہا جاتا ہے: ''بائیکاٹ کریں''، تو سب سے پہلے جواب ہوتا ہے:

''اپنے ملک کی چیزیں تو ویسے ہی خراب ہیں، اسرائیل کا بائکاٹ کیسے کریں؟ شیمپو، تیل، کریم، ٹوتھ پیسٹ، کھانے پینے کی چیزیں۔۔۔ ہم کیا کریں؟''

ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے۔

آج ہم میں سے ہر ایک اپنی ذمہ داری کا بوجھ دوسروں کے کاندھوں پر ڈال کر خود اپنی زندگیاں بس انجوائے کرنا چاہتی ہیں، کفار کی طرح بھرپور طریقے سے گزارنا چاہتی ہیں، اس بات سے قطع نظر کہ آخرت ہمارے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسلتی جا رہی ہے اور ہمارے پاس زادِ راہ کے لئے کچھ کھوٹے سکے بھی نہیں۔

یاد رکھیے گا کہ یہ امتحان اہلِ غزہ کا نہیں، اہلِ غزہ تو کامیاب ہی کامیاب ہیں۔ انہوں نے تو اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور کامیاب ہو گئے۔ ان کے شہداء کے چمکتے چہرے اور لاشوں سے پھوٹتی خوشبوئیں ان کی کامیابی کی بڑی دلیل ہیں۔

اصل میں تو یہ امتحان ہمارا امتحان ہے۔ ہم سے پوچھا جائے گا کہ ہم نے کیا کیا؟ ہمارے اختیار میں جو کچھ تھا ہم نے کیا یا نہیں؟

ہم سے پوچھا جائے گا کہ جب امت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے تو ان ٹکڑوں کو سمیٹنے کے لئے ہم نے کیا کیا تھا؟ کہیں کفن کا انتظام کیا تھا؟ ان کی مدد کی تھی یا نہیں؟

اپنے اپنے بچوں کے ساتھ خوش گوار زندگی گزارتے ہوئے رات کے کسی پہر ضرور امتِ مسلمہ کے اس زخمی حصے کے بارے میں سوچیں۔ یہ امتحان حکمرانوں کا ہے یا نہیں، اس سے پہلے یہ اصل امتحان ہمارا ہے۔

بائیکاٹ، امداد، دعا

ان تینوں کو ہتھیار بنالیں، شاید کہ بروزِ حشر کچھ آسانی والا معاملہ ہو جائے۔

خاندان!.... تہذیب کی اولین آماجگاہ

ڈاکٹر ساجد خاکوانی

خاندان انسان کی پرورش کی سب سے پہلی سیڑھی ہوتا ہے۔ یہ خدائی قانون ہے کہ انسان ایک خاندان میں آنکھ کھولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں سورۂ نساء کے اندر فرمایا:

”یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا“ (النساء:۱)

ترجمہ: ”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو، بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔“

یہ گویا انسانی خاندانوں کی ابتدا کا پس منظر بیان کیا گیا کہ کس طرح ایک آدم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ تخلیقی سے پوری دنیا کو انسانوں سے بھر دیا ہے۔ یہ سلسلہ جس طرح ماضی میں ہر دور، ہر وقت اور ہر قسم کے حالات میں جاری رہا، اسی طرح آج بھی ہے اور اسی طرح آخری انسان کی پیدائش تک جاری رہے گا کہ یہی قدرتِ خداوندی ہے اور یہی منشائے ربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ خاندان کی ابتدا ماں باپ سے کرتا ہے، دو جانیں باہم مل کر ایک گھر کی بنیاد رکھتے ہیں، پھر ان کے ہاں اولاد جیسی نعمت پیدا ہوتی ہے، جہاں سے بہن اور بھائی کے رشتے جنم لیتے ہیں، یہ بہن بھائی بڑے ہو کر جب شادیاں کر لیتے ہیں تو بہنوئی، داماد اور بہو جیسے سسرالی رشتے داریاں جنم لے لیتی ہیں اور خاندان اپنی وسعتوں کو چھونے لگتا ہے، یہاں تک کہ پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں خوشبو کی حقیقت کے وہ استعارے ہیں جن سے انسان کا باغیچہ مہک اُٹھتا ہے اور وہ اپنی لہلہاتی فصل کو دیکھ کر پھولا نہیں سماتا ہے۔ دادا، دادی اور نانا نانی پیار اور محبت کے وہ پیمانے ہیں جن میں اُلفت و محبت کے جام چھلکنے لگتے ہیں اور دنیا کی کسی لغت کا دامن اس چھلکتے ہوئے جام کی آسودگی و تراوٹ کو اپنے اندر سمونے سے قاصر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجرات میں میں بھی خاندانوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ:

”یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ“ (الحجرات:۱۳)

ترجمہ: ”اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف خاندان بنایا ہے، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔“

خاندان بعض اوقات تکبر اور فخر و غرور کی علامت ہوتا اور بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہوتا ہے، قرآن مجید نے اس کا تدارک کیا ہے، یعنی برہمن خاندان اس لیے عزت والا نہیں ہے کہ وہ برہمن ہے اور شودر اس لیے پیچ نہیں ہو سکتا کہ اس نے کسی شودر کے گھر میں جنم لیا ہے، یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں کہ کس نے کس کے ہاں پیدا ہونا ہے، کوئی بچہ اپنی مرضی سے کسی کے ہاں وارد ہو سکتا ہے اور نہ کوئی والدین اپنی مرضی سے بچوں کا انتخاب کر سکتے ہیں، پس جس خدا نے اپنی مرضی سے خاندانوں کی تقسیم کی ہے، اس کا حکم ہے کہ خاندان کسی عزوشرف کی بنیاد نہیں ہو سکتے، بلکہ یہ صرف پہچان کے لیے ہی ہیں کہ جب ایک ہی نام کے متعدد افراد ہوں گے تو وہ اپنے خاندان، قبیلے یا نسل کی بنیاد پر پہچانے جائیں گے۔ خاندانی تفاخر دورِ جہالت کی یاد تازہ کرتا ہے، جب کہ عزت کا معیار صرف تقویٰ ہے کہ کوئی اپنے رب سے کس قدر قریب تر ہے۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ میں تقویٰ موجود ہے تو وہ خاندانی کہتری کے باوجود عزت و وقار میں ابوجہل سے کہیں بڑھ کر ہیں، جس میں شاید دنیا بھر کی خاندانی وجاہت سمٹ کر جمع ہو چکی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہے اور میں بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہوں۔“

گویا انسان کا بہتر یا بدتر ہونا دراصل اس کے گھر والوں کے ساتھ رویے پر منحصر ہے۔ دوستوں کے ساتھ، افسر کے ساتھ اور دکان والوں کے ساتھ تو سبھی بہتر ہوتے ہیں، لیکن اپنے خاندان، اپنے بچے، اپنی بیوی، اپنے والدین اور اپنے سسرال کے ساتھ کون اچھا ہے؟ یہ اصل سوال ہے۔ ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو عمر میں ابھی کم سن تھیں، انہوں نے تماشا دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جھڑکنے یا منع کرنے کی بجائے اور باپ یا بھائی سے یہ تقاضا کرنے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اُن کی یہ خواہش پوری کی اور حکمِ حجاب کے باعث دروازے میں آگے کھڑے ہو گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے سے تماشا دیکھتی رہیں، کافی دیر گزر چکنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کیا تماشا دیکھ لیا؟ بی بی صاحبہ نے جواب دیا کہ نہیں ابھی اور بھی دیکھنا ہے۔ ظاہر ہے اس عمر میں دل کہاں بھرتا ہے؟! یہ سب سے بڑے انسان (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت تک کھڑے رہے، جب تک کہ بی بی صاحبہ کا دل نہ بھر گیا۔ بی بی فاطمہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کسی سے ڈھکی چھپی

نہیں، جب بھی وہ تشریف لاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حُب واحترام میں اُٹھ کھڑے ہوتے اور ان کے ماتھے پر بوسہ بھی دیتے، حسنین کریمین شفیقین محترمین (رضی اللہ عنہما) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جان سے عزیز تر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو اپنے کندھوں کی سواری کراتے تھے اور انہیں جنت کے نوجوانوں کے سردار بھی قرار دیا۔ غزوۂ حنین کے موقع پر کم وبیش چھ ہزار افراد غلام بنائے گئے تھے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن کو لایا گیا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کمر پر دندی کاٹی تھی، جس کا نشان آج بھی وہاں پر موجود ہے، اس بہن نے ان قیدیوں میں سے چند کی سفارش کی، جنہیں محسنِ نسواں صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا، جب یہ بہن باہر تشریف لائیں تو چھ کے چھ ہزار قیدیوں کے رشتہ دار منت سماجت کرنے لگے کہ خدارا ہمارے قیدیوں کو بھی چھڑالاؤ، یہ بہن اپنے عظیم بھائی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پھر حاضر ہو گئیں اور کل قیدیوں کی رہائی کی بابت سفارش کر ڈالی، تب اس بھائی کی شان ملاحظہ ہو کہ کمالِ شفقت و مہربانی سے کل قیدیوں کو رہائی عطا کر دی۔ کیسا شاندار بھائی اور کتنی ہی محبت والی بہن، یہ آسمان شاید پھر کبھی نہ دیکھ سکے۔ یہ رضاعی خاندانی محبت کی ایک مثال ہے۔

خاندان کی پرورش اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت عمدہ عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کی پرورش پر جنت کی خوشخبری دی ہے، صالح اولاد کو صدقہ جاریہ قرار دیا، حافظِ قرآن و حافظۂ قرآن کو والدین کی شفاعت کا مژدہ سنایا، شہید کی ماں کے دامن کو خدا کی رحمت سے بھر دیا اور سخت تاکید کی کہ اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنائیں اور انہیں سات سال کی عمر سے نماز کی تلقین شروع کر دیں اور دس سال کی عمر میں اُن پر سختی کرنے لگیں، تاکہ نماز کے معاملے میں وہ سستی سے باز آجائیں۔ ہم میں سے ہر کوئی گلہ بان ہے اور اس کے گلے کے بارے میں ہم سے سوال ہوگا۔ ہمارا گلہ ہمارا خاندان ہے، ہم اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ ہمارے خاندان میں غیر شرعی رسوم و رواج جگہ تو نہیں پا رہے؟ ہمارے خاندان میں دولت کے بل بوتے پر ایسی روایات تو جنم نہیں لے رہیں جنہیں مقابلۃً غریب رشتہ دار گھرانوں کو پورا کرنا مشکل ہو جائے؟ ہمارے خاندان کا رویہ قطع رحمی کا باعث تو نہیں بن رہا؟ اور کیا ہم اپنے خاندان کو دنیا کے رنگ میں رنگ رہے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے رنگ میں اور آخرت کا طلب گار بنا کر قربِ خداوندی کا باعث بن رہے ہیں؟

یورپ اپنی سیکولر سوچ کے باعث آج اپنے خاندانی نظام کو تباہ کر بیٹھا ہے اور اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک بہت بڑی وجہ آزادیِ نسواں کے نام پر آزادیِ زنا ہے، اب عمائدینِ یورپ اپنی پشتوں اور نسلوں کی بقا کے لیے مجبور ہیں کہ خاندان کی اہمیت اُجاگر کرنے کے لیے سال بھر میں ایک دن اس مقصد کے لیے منائیں، تاکہ سیلاب، زلزلوں اور طوفانوں میں وہاں کے لوگ اپنے والدین اور بزرگوں کو حالات اور ریاستی اداروں کے سپرد کر کے اپنے کتوں اور بلیوں کے ساتھ بھاگنے کے رویے سے باز آجائیں۔ سیکولرازم کے اس رویے نے انسان کو جانور سے بھی بدتر بنا دیا ہے، کیونکہ حلالی اور غیر حلالی کے مٹتے ہوئے فرق کی بنا پر انسانی خاندانی اعلیٰ روایات کی جگہ پیٹ کی خواہش اور پیٹ سے نیچے کی خواہش نے لے لی ہے۔ اس کے مقابلے میں مشرق و ایشیا میں انبیاء علیہم السلام کا آغاز کردہ ''نکاح'' کا ادارہ اپنے جملہ حدود و قیود کے ساتھ موجود ہے، دینی و مذہبی شعور کے باعث یہاں کے گھروں میں دن کا آغاز کسی بڑے کی آواز سے بیداری کے بعد شروع ہوتا ہے اور دن کا انجام گھر کی بڑی بزرگ خاتون کی کہانی یا لوری سے اختتام پذیر ہوتا ہے۔ انسانیت بالآخر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی تعلیمات کی طرف ضرور پلٹے گی اور ہر چڑھتا ہوا سورج خاندان کی عظمت و برتری کا سورج ہو گا اور خاندان کی اہمیت اُجاگر کرنے کے لیے کسی ایک دن کے منانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

مجلہ بنات
خدیجۃ الکبریٰ
11

آوارگی اور حیاباختگی کوروکیے!

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

اللہ تعالیٰ سب کا خالق، مالک، مربی اور حاکم ہے، کائنات کی کوئی چیز اس کی تخلیق، ملکیت، تربیت اور حاکمیت سے باہر نہیں۔ اسی نے انسانیت کی فوز و فلاح کے لیے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو مبعوث فرمایا اور سب سے آخر میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے مقتدا، پیشوا اور اُسوۂ حسنہ بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں اخلاقی، معاشرتی، سیاسی، سماجی، ازدواجی، خانگی، عائلی اور دنیوی واُخروی زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود و مسلّم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزارنے کے تمام اصول وآداب اور اخلاق وکردار اُمت کے سامنے پیش کردیا ہے، اس لیے قرآن کریم میں فرمایا گیا:

۱:-"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا." (الاحزاب:۲۱)

"تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو رسول اللہ میں ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔"

۲:-"وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ق وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج وَاتَّقُوْا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ" (الحشر:۷)

"اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لینے) سے تم کو روک دیں، تم رُک جایا کرو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ (مخالفت کرنے پر) سخت سزا دینے والا ہے۔"

کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے؟! کس کو اپنانا چاہیے اور کس سے اجتناب کرنا چاہیے؟! کن چیزوں کو اختیار کرنے سے ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے اور کن چیزوں کو اپنانے کی وجہ سے معاشرہ داغدار ہوتا ہے؟! یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں واضح فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں کو عفت، عصمت، پاک دامنی اور شرم وحیا اختیار کرنے کا درس دیا، جس سے معاشرہ پاکیزہ اور صالح بنتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا معاشرہ تشکیل دیا، جس پر ملائکہ بھی رشک کرتے تھے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے تھے اور اس دائرہ سے باہر جھانکنے کو گناہ، حیا کے خلاف اور حیا کی موت تصور کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقٌ وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ." (ابن ماجہ)

"ہر دین کا ایک اخلاق ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاق حیاء ہے۔"

حیا کا لغوی معنی: تغیّر وانکساری ہے، جو انسان کے قلوب واذہان میں کسی عیب جوئی کے خوف سے جاگزیں ہوتا ہے۔

حیا کا اصطلاحی معنی: حیا ایسی صفت ہے جو منکرات وقبیح چیزوں سے اجتناب کرنے پر برانگیختہ کرتی ہے اور اداء حقوق میں کوتاہی اور تقصیر سے منع کرتی ہے۔ (عون المعبود شرح ابی داؤد)

گویا شریعت کی نظر میں حیا وہ صفت ہے، جس کے ذریعہ انسان بے ہودہ، قبیح اور ناپسندیدہ کاموں سے رُک جاتا ہے۔ دینِ اسلام میں حیا اور پاک دامنی اپنانے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ انسان اسے اپنا کر معاشرہ کو پُرامن بنانے میں اہم کردار ادا کرے۔ اور منکرات وفواحش کے قریب جانے سے روکا گیا ہے، تاکہ معاشرہ اَنارکی اور فساد سے بچ جائے۔ حیا انسان کو پاک باز، پرہیزگار، عفت مآب اور صالح انسان بناتی ہے۔ اگر بندے سے کوئی گناہ و معصیت اور لغزش سرزد ہوتی ہے، تو یہ حیا ہی ہے جو اُس کو عار، شرمندگی اور ندامت کا احساس دلاتی ہے۔ باحیا انسان کسی غلط کام کے ارتکاب کے بعد لوگوں کا سامنا کرنے سے جھجک محسوس کرتا ہے۔ حیا مؤمن کی صفت، ایمان کی شاخ، ایمان میں داخل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں فرمایا کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ میں رہنے والی کنواری لڑکی سے زیادہ باحیا تھے۔" حیا اسلامی تہذیب وتمدن کے لیے روح کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی پر پاکیزہ معاشرہ کی اَساس اور بنیاد ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے دلوں میں حیا کے جذبات کو پروان چڑھایا، شرم وحیا والی کیفیات سے بہرہ وَر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اچھا معاشرہ بنانے اور اس معاشرہ کے ہر فرد کو اپنی عادات واخلاق کو درست کرنے کے لیے نہایت اہم اور ضروری ہدایات اور تعلیمات دیں۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱:- "قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ" (النور:۳۰)

"آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔"

۲:-"وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ" (النور:۳۱)

"اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجیے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مواقع کو ظاہر نہ کریں، مگر جس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے

(جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھا کریں۔"

۳:-"وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ط اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ" (العنکبوت: ۴۵)

"اور نماز کی پابندی رکھیے، بے شک نماز (اپنی وضع کے اعتبار سے) بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے۔"

۴:-"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ" (النحل:۹۰)

"اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور قرابت والوں کے دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نامعقول کام سے اور سرکشی سے اور تم کو سمجھاتا ہے، تاکہ تم یاد رکھو۔"

۵:-"وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ" (الانعام:۱۵۱)

"اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ، خواہ وہ علانیہ ہوں اور خواہ پوشیدہ ہوں۔"

۶:-"قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْىَ بِغَيْرِ الْحَقِّ" (الاعراف:۳۳)

"آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو، اُن میں جو اعلانیہ ہیں وہ بھی اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو۔"

۷:-"وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا" (بنی اسرائیل:۳۲)

"اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے۔"

۸:-"اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ج وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا" (البقرة:۲۶۸)

"شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگدستی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش اور فضل کا۔"

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۱:- "ایک مرد دوسرے مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ ہی کوئی عورت دوسری عورت کے ستر کو دیکھے۔ کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ اور کوئی عورت دوسری عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے۔" (مسلم، کتاب الحیض)

۲:-"حضرت یعلیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کھلی جگہ (میدان) میں ننگے نہاتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نہایت باحیا اور ستر پوش (عیب پوش) ہے، وہ حیا اور پردہ کو پسند کرتا ہے، تو جب تم میں سے کوئی شخص نہائے تو پردہ کرے۔" (سنن ابی داؤد، جلد سوئم، کتاب الحمام: ۴۰۱۲)

۳:-"حضرت جرہد رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ میں سے تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف فرما تھے اور میری ران ننگی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ران ستر (میں شامل) ہے؟!۔" (سنن ابی داؤد، جلد سوئم، کتاب الحمام: ۴۰۱۴)

۴:-"حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی ران سے کپڑا مت اُٹھاؤ، کسی زندہ کی ران دیکھو، نہ مردہ کی۔" (سنن ابی داؤد، جلد سوئم، کتاب الحمام: ۴۰۱۵)

۵:-"حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کے کلام میں سے جو حاصل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ جب تم حیا نہ کرو، تو پھر جو چاہو کرو۔" (سنن ابی داؤد، جلد سوئم، کتاب الحمام: ۴۷۹۷)

۶:-"حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امِ خلد نامی عورت نقاب کیے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور وہ اپنے مقتول (شہید) بیٹے کے بارے میں دریافت کر رہی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے کہا: آپ اپنے (شہید ہونے والے) بیٹے کے بارے میں پوچھ رہی ہیں اور (اتنی مصیبت اور غم کے باوجود) آپ نقاب کیے ہوئے ہیں؟ اس (عظیم خاتون) نے کہا: اگرچہ میرا لختِ جگر فوت ہو گیا ہے، لیکن میری حیا تو فوت نہیں ہوئی۔" (سنن ابی داؤد، جلد سوئم، کتاب الحمام: ۴۴۸۸)

۷:-"حضرت ابی ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار چیزیں سب پیغمبروں کی سنت ہیں، شرم اور عطر لگانا اور مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔" (جامع ترمذی، جلد اول، باب النکاح: ۱۰۷۹)

۸:-"حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مرد جب بھی کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔" (ترمذی)

۹:- "حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے فرمایا: اے علی! غیر محرم عورت پر ایک نظر پڑنے کے بعد دوسری نظر نہ دوڑاؤ، اس لیے کہ پہلی نظر تمہارے لیے معاف ہے اور دوسری نظر تمہارے اوپر وبال ہو گی۔" (ترمذی)

۱۰:-"حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی شرم گاہ کو بیوی اور لونڈی کے علاوہ کسی کے سامنے ظاہر نہ کرو، میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اگر کوئی آدمی تنہا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: تو اللہ زیادہ لائق ہے کہ اس سے شرم وحیا کی جائے۔" (ترمذی)

۱۱:-"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن عورتوں کے خاوند گھر میں موجود نہیں ہوتے ان کے ہاں نہ جایا کرو، شیطان تم میں سے ہر آدمی کے ساتھ اس طرح گھل مل جاتا ہے جیسے خون جسم میں جاری رہتا ہے۔" (ترمذی)

۱۲:-"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین اشخاص ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کردی ہے: ۱:-ہمیشہ شراب پینے والا، ۲:-والدین کا نافرمان، ۳:-وہ بے غیرت جو اپنے گھر میں بے حیائی کو (دیکھنے کے باوجود اُسے) برقرار رکھتا ہے۔" (احمد، نسائی)

۱۳:-"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بری بات جہاں کہیں بھی ہو قابل ملامت ہے، اور شرم وحیاء جہاں کہیں بھی ہو باعثِ فخر ہے۔" (ترمذی)

یہ وہ چند احادیث تھیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو پاک دامنی اور شرم وحیا کے متعلق ہدایات اور تعلیمات عطا کی ہیں۔

شریعت نے شرم وحیا کی بقاء، توالد وتناسل کے سلسلہ کو آگے بڑھانے اور مرد وعورت کی جنسی تسکین کے لیے نکاح جیسے خوبصورت بندھن کا حکم دیا، جس کے نتیجہ میں مرد اور عورت کا آپس میں مودت ورحمت کا رشتہ قائم ہوتا ہے، پھر اس کے ذریعہ رشتہ داریاں، خاندان، معاشرہ اور سماج وجود میں آتا ہے۔ عورت کے چار درجات اور مقام ہیں اور چاروں کو اللہ تعالیٰ نے عزت وعظمت عطا کی ہے:

۱:-عورت اگر ماں ہے تو اس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے، ۲:-عورت اگر بیٹی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت، ۳:-عورت اگر بہن ہے تو اس کی پرورش، تربیت اور اچھی جگہ رشتہ کردینے پر جنت کی ضمانت، ۴:-عورت اگر بیوی ہے تو مرد کا لباس اور دنیا کی بہترین متاع اس کو قرار دیا گیا۔

آج معاشرہ میں بے راہ روی، آوارگی اور حیا باختگی کے کئی عوامل ہیں:

۱:-اسلام نے زندگی گزارنے کے لیے جو ہدایات اور تعلیمات دی ہیں، آج کے معاشرہ کی اکثریت نے ان تعلیمات کو پڑھنے، سمجھنے، انہیں عام کرنے اور ان پر عمل کرنے کی ہرگز ہرگز کوشش نہیں کی۔

۲:-اسلام نے عورت کو پردہ کا حکم دیا، اس کو دلوں کی پاکیزگی کا ذریعہ اور شریف زادیوں کا شعار قرار دیا۔ اسلام نے عورت کو عزت وعظمت دی، وقار اور سربلندی کا تاج اس کے سرپر رکھا، اس کو گھر کی ملکہ بنایا، جس سے گھر کا چراغ روشن ہوتا ہے، جس کی وجہ سے گھر میں آرام اور سکون ملتا ہے، مرد اور اولاد کے لیے گھر میں رہنا باعثِ راحت بنتا ہے، لیکن اسلام کے اس نظریہ کے برعکس مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگ عورت کو گھر کی بجائے شمعِ محفل اور سامانِ عیش بناکر بازار میں گھسیٹ لے آئے۔ ایسے لوگوں نے عورت کی عزت وعظمت، وقار وشرافت، پردہ، چادر اور چار دیواری کے وقار کو نہ صرف یہ کہ بٹہ لگایا، بلکہ بچوں کی تربیت اور شوہر کے حقوق کو بھی پامال کرایا، یوں مساوات کا سبز باغ دکھا کر مغربی تہذیب سے مرعوب طبقہ نے اس صنفِ نازک پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔

۳:-مرد وزن کے اختلاط سے شریعت نے منع کیا، لیکن مغربی نقالی میں ہمارے معاشرے نے بھی مخلوط تعلیمی نظام کو رواج دیا، جس کے آج بھیانک نتائج سامنے آرہے ہیں اور آئے دن اخبارات میں یہ خبریں چھپتی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی معصوم بچیاں اور کلیاں ان آوارہ گردوں اور حیا باختہ درندوں کی بھینٹ چڑھ کر کچل اور مسل دی جاتی ہیں۔ مغربی تہذیب نے انسانیت کو حیوانیت کے قالب میں ڈھال کر مکمل درندہ صفت انسان بنادیا اور اسی تہذیب کے متوالے آنکھیں بند کرکے اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں اور آج سماج میں اس کو شریف اور مہذب سمجھا جاتا ہے جو سر سے پاؤں تک مغربیت میں ڈھلا ہوا ہو، وضع قطع، عادات واطوار، رہن سہن، غرض زندگی کے تمام نشیب وفراز میں جو جتنا مغربی تہذیب کا نقال ہوگا، وہ اتنا مہذب شمار ہوگا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج حیا باختگی کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بیوی شوہر کی ضرورت محسوس نہیں کررہی اور شوہر بیوی کی پرواہ نہیں کررہا۔ لڑکے اور لڑکیاں نکاح کو اپنے لیے قید اور بے حیائی کو اپنے لیے آسان اور سستا سمجھ رہے ہیں۔ آئے دن طلاقوں کی شرح بڑھتی جارہی ہے اور آج "میرا جسم میری مرضی" کو فروغ دیا جارہا ہے۔ آج خاندان سے سکون واطمینان رخصت ہوچکا ہے، انسانیت جیتے جی مر رہی ہے، گھر برباد ہورہے ہیں، نسلیں تباہ ہورہی ہیں، حیا لٹ رہی ہے، جوانیاں داغ دار ہورہی ہیں، بیٹیوں کی عفت نیلام ہورہی ہے۔ آج کے حیا باختہ معاشرے نے رشتوں کے احترام اور تقدس کو پاؤں تلے روند ڈالا ہے، ہر شخص اپنے لذتِ تن بدن کی تکمیل میں لگا ہوا ہے، نہ ماں کا تقدس ہے، نہ باپ کا احترام، نہ بیوی کی قدر ہے اور نہ بیٹی کی پہچان۔ غلط، بے حدود اور بے لگام راہیں انسان کو اچھی لگنے لگی ہیں، جس سے سماج بکھرتا جارہا ہے۔

ایک باشعور اور عقل وخرد کا حامل انسان یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ موجودہ دنوں میں اسلام آباد کے پوش علاقہ میں ایک خاتون نور مقدم کا قتل ظاہر ذاکر نامی شخص نے کیا ہے، یہ تو دونوں کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، دونوں لبرلز تھے، "میرا جسم میری مرضی" کا نعرہ لگانے والے تھے، پھر ایک دوسرے کے دشمن کیوں ہوگئے؟ سوچیے اور بار بار سوچیے! آخر اس میں کس کس کا قصور اور کس کس سے کہاں کہاں کوتاہی ہوئی ہے؟ ماں، باپ، اساتذہ، تعلیم، تہذیب، ماحول، معاشرہ، مال ودولت، بے محابا آزادی اور اسلامی تہذیب کی بجائے مغربی طرزِ تعلیم اور طرزِ تہذیب؟ یا وہ جو کہتے ہیں کہ اولاد جب جوان ہو تو اس کی مرضی جو وہ چاہے کرے، دوسروں کو ان کی زندگی میں مداخلت کا کوئی حق نہیں، غیر مردوں اور غیر عورتوں کی دوستی کا کوئی مسئلہ نہیں، دونوں اپنی مرضی سے بغیر شادی کے اگر ایک دوسرے کے ساتھ رہنا چاہیں تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں، آخر کون ہے جو ان دونوں کو اس انجام تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے؟ کون اس کا قصور وار ہے؟ خدارا! اس ہولناک اور دہشت ناک واقعہ سے ہر اس مرد اور عورت کو عبرت پکڑنی چاہیے، جو اس جیسے ماحول اور آزادی کا طلب گار ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱:-"اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ لا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (النور:۱۹)

"جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا ایمان والوں میں اُن کے لیے عذاب ہے درد ناک دنیا اور آخرت میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

۲:-"وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَهِیَ ظَالِمَةٌ ط اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ"
(هود:۱۰۲)

"اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو اور وہ ظلم کرتے ہوتے ہیں، بے شک اس کی پکڑ دردناک ہے شدت کی۔"

قومِ لوط پر جو عذاب آیا، ان کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ وہ قوم شرم وحیا سے عاری ہو چکی تھی، بے حیائی کے کام بھری محفلوں اور مجلسوں میں کرتی تھی، ان کی حرکات، سکنات، اشارات و کنایات اور ان کے محلے اور بازار سب کے سب عریانی، فحاشی، آوارگی اور حیا باختگی کا مرقع بن چکے تھے۔ آج کی سیکولر تہذیب نے بھی انسانیت کو اس تباہی و بربادی اور ہلاکت کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔

آج کی عورت اگر اپنی زندگی صحیح اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارنے کی کوشش کرے تو دنیا کی کوئی طاقت اُن کو شہوت کی نگاہ سے دیکھنے کی تو دور کی بات ہے، اپنے تصور میں بھی نہیں لائے گی اور عورت اپنی تمام تر خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اپنے شوہر کے لیے نیک رفیقِ سفر، والدین کے لیے چشمۂ رحمت، بھائی کے لیے گلدستۂ محبت، اولاد کے لیے گہوارۂ اُلفت وچاہت اور سارے معاشرے کے لیے نیک بخت اور نیک سیرت کا مجموعہ بن کر ساری دنیا کو جنت نما بنا سکتی ہے اور دنیا میں پھیلنے والی تمام برائیوں کا سدِ باب بن کر انسانیت کو بھولا ہوا سبق یاد دلا سکتی ہے اور انسانیت کو جہنم کے دہانے سے دور کر کے جنت کی لازوال نعمتوں کی طرف پھیر سکتی ہے۔ بہر حال مرد ہوں یا خواتین، حکمران ہوں یا رعایا، علماء ہوں یا عوام، سب کو اس معاشرہ سے اس بے حیائی و بے شرمی کو ختم کرنے کی اپنی سی استطاعت اور کوشش ضرور کرنی چاہیے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱:-"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا" (التحریم:۶)

"اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ۔"

اور اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۲:-"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ط عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" (التحریم:۸)

"اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو، (توبہ کا ثمرہ فرماتے ہیں کہ) اُمید (یعنی وعدہ) ہے کہ تمہارا رب (اس توبہ کی بدولت) تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔"

۳:-"وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ" (النور:۳۱)

"اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو! تاکہ تم بھلائی پاؤ۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری قوم کو سمجھ عطا فرمائے، ہم سب کے حال پر رحم فرمائے، اللہ تعالیٰ کے احکامات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کی توفیق سے نوازے، اور ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

سوشل میڈیا کے مصلحین و مفکرین

دعوتِ محاسبہ

مولانا رضی الرحمن قاسمی

ذرائع ابلاغ میں انقلابی تبدیلیاں

گزشتہ چند دہائیوں میں ذرائع ابلاغ نے غیر معمولی ترقی کی ہے، اخبار و رسائل سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا دور آیا، پھر انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے آنے سے ذرائع ابلاغ اس قدر تیز ہو گیا ہے کہ چند دہائیاں قبل اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

کچھ فائدے

ذرائع ابلاغ کی اس تیز رفتاری سے یقیناً بہت سارے فائدے بھی ہوئے ہیں کہ پہلے جن معلومات کے حصول اور ترسیل میں دنوں، ہفتوں، مہینوں؛ بلکہ سالوں گزر جاتے تھے، ان کا حصول اور ان کی ترسیل چند گھنٹوں، چند منٹوں، بلکہ چند پلوں میں ممکن ہو گئی ہے، یقیناً یہ بڑا انقلاب ہے اور اس کی وجہ سے بہت سارے کاموں میں بہت زیادہ اِنرجی اور وقت بچ جاتے ہیں۔
دعوتی نقطۂ نظر سے بھی ذرائع ابلاغ کی اس ترقی کی وجہ سے کام بہت آسان ہو گیا ہے کہ اپنی چیزیں اور اسلام کا آفاقی پیغام بہتر سے بہتر اُسلوب میں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا نہایت ہی آسان ہو گیا ہے، اسی طرح ملحدین، اسلام دشمن عناصر اور مسلمانوں کے بیچ اور دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے تئیں شبہات پیدا کرنے والوں کا تحقیقی اور بہ وقتِ ضرورت مسکت جواب دینا اور اسے بڑے پیمانے پر لوگوں تک پہنچانا بھی بہت ہی سہل ہو گیا ہے۔
علمی و تحقیقی میدان میں کام کرنے والے افراد کے لیے بھی یہ سہولت ہو گئی ہے کہ وہ اپنے مطلوبہ مواد اور معلومات تک بہ آسانی پہنچ سکتے ہیں اور اس حوالے سے دوسرے ایکسپرٹ اور متخصص لوگوں کی آراء، نقطہ ہائے نظر اور تحقیق سے بہ آسانی استفادہ کر کے اپنے کام کو زیادہ باوزن اور مفید بنا سکتے ہیں اور اس کے بعد اپنی کاوشوں کو استفادے کے لیے بڑے پیمانے پر نشر کر سکتے ہیں۔

چند نقصانات

ان جیسے اور دوسرے بہت سارے فائدوں کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ کی تیز رفتاری نے اور خاص کر سوشل میڈیا کے بہت زیادہ رواج پا جانے اور ہر عام و خاص کی اس تک بہ سہولت رسائی نے افراتفری کا ماحول اور انفرادی و اجتماعی سطح پر انسانی، مذہبی، سماجی اور اخلاقی ایسے چیلنجز کھڑے کر دیے ہیں، جن کا تصور چند دہائیوں قبل ممکن نہیں تھا اور ذرائع ابلاغ کی اس تیز رفتاری خاص کر سوشل میڈیا کے بہ آسانی ہر عام و خاص تک رسائی نے اکثر لوگوں کے حق میں ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے، جیسے کہ نا سمجھ بچوں کے ہاتھوں میں کھیلنے کے لیے چھری اور دوسری مہلک چیزیں دے دی جائیں کہ ان چیزوں کا یقیناً صحیح استعمال بھی ہے اور انسانیت کو اس کی ضرورت بھی ہے اور اس سے بہت سارے فائدے بھی ہیں؛ لیکن نا سمجھ بچوں کے ہاتھ میں اُن کا ہونا نقصان، تباہی اور ہلاکت و بربادی ہی کا سبب بن سکتا ہے۔
مختلف سروے کے ذریعے یہ بات معلوم ہوئی ہے، بلکہ ہر معمولی سمجھ بوجھ والا انسان اپنے ارد گرد کے مشاہدے کے ذریعے بھی یہ جان سکتا ہے کہ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے صارفین میں زیادہ تر لوگ اِن کا اوسطاً 90% کے آس پاس بے مقصد اور بسا اوقات تباہ کن استعمال کرتے ہیں۔ اور روزانہ کئی کئی گھنٹے عمر عزیز کے قیمتی اوقات کو ضائع کرتے ہیں؛ حالانکہ اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ بات بالکل سامنے کی ہے کہ ”زندگی در حقیقت وقت ہی کا نام ہے جو کہ ہمیں پیدائش سے لے کر موت کے بیچ تک ملتا ہے۔“ گویا کہ وقت کو ضائع کرنا زندگی کو ضائع کرنا ہے۔

سوشل میڈیا کے مصلحین و مفکرین

سوشل میڈیا کے اس پھیلاؤ نے ایک اور بڑا مسئلہ یہ پیدا کیا ہے کہ دینی، سماجی، معاشرتی، اخلاقی، سائنسی، تاریخی اور مختلف میدان میں بزعمِ خود مصلحین اور مفکرین کا ایک بڑا جتھا اپنے خیال کے مطابق انسانیت کی اصلاح اور اس کو نفع پہنچانے کے لیے سوشل میڈیا پر کمربستہ ہو گیا ہے۔

سوشل میڈیا کے مصلحین و مفکرین کے نمایاں اوصاف

ان مصلحین اور مفکرین کی کارکردگی اور چند نمایاں اوصاف یہ ہیں:

1- یہ اپنے موضوع سے متعلق بلکہ غیر متعلق ہر اہم اور غیر اہم، بلکہ لغو قسم کی باتوں کو نقل کرنا اور دوسروں تک پہنچانا اپنی نہایت ہی اہم ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

2- اپنے موضوع سے متعلق اور غیر متعلق مراسلوں اور پوسٹ پر تبصرہ کرنا اور ان کے بارے میں اپنی معقول اور نامعقول رائے اور تجزیہ پیش کرنا نہایت ہی اہم فریضہ اور ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

3- بیہودہ باتوں کو اور ایسی باتوں کو جو لوگوں کی کردار کشی پر مشتمل ہوں اور جن میں استہزاء اور مذاق اُڑایا گیا ہو، انہیں بہ زعمِ خود بغرضِ اصلاح نہایت ہی مخلصانہ طور پر لوگوں کے درمیان پھیلاتے ہیں۔

4- بدزبانی اور بیہودہ جملوں کا بے دریغ استعمال نہ صرف روا سمجھتے

ہیں؛ بلکہ انھیں اپنے لیے باعثِ عزت وفخر گردانتے ہیں۔

5- ان کی تحقیقی باتوں میں حقیقتاً تحقیق اور صحیح نتیجے پر پہنچنے کی سچی طلب اور جستجو کے بجائے بدگمانی کا عنصر بڑی وافر مقدار میں ہوتا ہے۔

6- ''بغرضِ اصلاح'' مختلف موقعوں پر اپنی بات کی تائید و تصویب میں جھوٹ، دجل وفریب اور حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا بھی کام کرتے ہیں۔

7- اللہ نے بحیثیت انسان ہر شخص کو عزت و تکریم سے نوازا ہے، یہ اپنے اس طرح کے طرزِ عمل سے جہاں دوسروں کو بے عزت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہیں اپنی سطحیت اور گری ہوئی سوچ کا اظہار کرکے اپنے آپ کو بڑے پیمانے پر بے عزت کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

سوشل میڈیا کے مصلحین و مفکرین کا طرزِ عمل دین اور اخلاق کے میزان میں

جو لوگ ملحد ہوں، دین اور اخلاق دونوں سے عاری ہوں یا مذہب کے پیروکار ہوں، لیکن اخلاق سے عاری ہوں، ایسے لوگوں کے حق میں تو صرف دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ عزوجل ان کے اندر دین واخلاق پیدا کرے یا یہ کہ اخلاقی قدروں سے ان کی زندگی کو آراستہ کرے!

درج ذیل معروضات ان سوشل میڈیا کے مفکرین و مصلحین کی خدمت میں پیش ہیں، جو نہ تو دین کے منکر ہیں اور نہ ہی ایسے ہیں کہ اخلاقی قدروں کی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں ہے:

1- پہلی بات یہ ہے کہ سماجی اور عقلی طور پر بھی یہ ایک مبینہ حقیقت ہے کہ وہ شخص جو ہر سنی ہوئی اور اس تک پہنچی ہوئی باتوں کو نقل کرتا ہے اور آگے پہنچاتا ہے، وہ بہت ساری باتوں میں جھوٹا ہوتا ہے یا کسی جھوٹے کا آلۂ کار بنتا ہے، اسی حقیقت کو سید الاولین والآخرین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

''کفٰی بالمرء کذبًا أن یحدث بکل ما سمع۔'' (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۵)

ترجمہ: ''کسی انسان کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے۔''

یہ بات بھی واضح رہے کہ As Received لکھ دینے سے انسان جھوٹے ہونے کے دائرہ سے نہیں نکل جاتا ہے؛ کیوں کہ یہ نہایت ہی سادہ سا سوال ہے کہ کسی بھی فرد کو اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی یا اس تک پہنچی ہوئی بات کو دوسروں تک ضرور منتقل کرے ہی؟!

2- دوسری بات یہ ہے کہ انٹرنیٹ کے ذریعے یا سوشل میڈیا پر آنے والے ایسے مراسلوں اور پوسٹ پر تبصرہ کرنا یا ان پر کوئی مختصر یا مفصل تجزیاتی تحریر لکھنا جس کا دینی و دنیاوی کوئی فائدہ نہ ہو، لغو کام ہے۔ اور ایک مسلمان کو اور اچھے اخلاق کے حامل فرد کو یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ لغو کاموں میں اپنا وقت اور اپنی طاقت صرف کرے، چنانچہ اللہ عزوجل نے مومنوں کے اوصاف میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ وہ لغو کاموں کے پاس سے اِعراض کرکے گزر جاتے ہیں:

''وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا'' (الفرقان: ۷۲)

اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک اچھے مسلمان کی یہ صفت بتائی ہے کہ وہ لغو اور فضول کاموں سے مکمل طور پر اجتناب و اعراض کرے: ''من حسن إسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔'' (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۳۱۷)

3- تیسری بات یہ ہے کہ بے ہودہ اور فحش باتوں کو پھیلانا نہ تو کسی صاحبِ ایمان کو زیب دیتا ہے اور نہ ہی اچھے اخلاق کے تقاضوں سے میل کھاتا ہے، قرآن کریم نے فحش اور بیہودہ باتوں اور چیزوں کو پھیلانے والوں کے لیے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے:

''اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ'' (النور: ۱۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''مسلمان بیہودہ گوئی کرنے والا اور فحش باتیں کرنے والا ہو ہی نہیں سکتا ہے۔'' (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۷۷)

اور قرآن و سنت سے یہ بات ثابت ہے کہ ایسی باتیں جو کسی کے استہزا پر مشتمل ہوں، بدترین قسم کا اخلاقی جرم اور صریح ظلم ہے۔ (الحجرات: ۱۱، سنن ابو داود، حدیث نمبر: ۴۸۷۵، صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۳۰)

4- چوتھی بات یہ ہے کہ بدگمانی ایک نہایت ہی بدترین قسم کی صفت ہے، چنانچہ اسی وجہ سے اللہ عزوجل نے بدگمانی تو کجا بہت زیادہ گمان اور ظن سے بھی کام لینے سے منع فرمایا:

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ'' (الحجرات: ۱۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔''

5- پانچویں بات یہ ہے کہ جھوٹ بولنا وہ بدترین عمل ہے جو عقل، شریعت اور سماج ہر ایک کی نگاہ میں قابلِ مذمت ہے۔ قرآن و سنت کے مختلف نصوص میں بھی اس کی قباحت و شناعت کا ذکر موجود ہے۔'' (حج: ۳۰، صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۳۳)

6- چھٹی بات یہ ہے کہ بحیثیت انسان اللہ عزوجل نے ہر انسان کو معزز و مکرم بنایا ہے، قرآن کریم میں ہے:

''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْۤ اٰدَمَ'' (الاسراء: ۷۰)

ترجمہ: ''اور ہم نے انسان کو باعزت بنایا۔''

اور یہ کہ عزت اور ذلت اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

''وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ'' (آلِ عمران: ۲۶)

ترجمہ: ''اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور تو جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے، تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے۔''

اپنی باتوں اور کارکردگی کے ذریعے کسی کو بے عزت کرنے کی کوشش کرنا نہایت ہی مکروہ اور گھناؤنا عمل ہے۔ نیز جھوٹ، بدگمانی، دجل وفریب، استہزاء، نامعقول رائے اور لغو قسم کی باتوں کے ذریعے دوسروں کو بے

عزت کرنے کی کوشش در حقیقت اپنے آپ کو بھی بے عزت کرنے کو مستلزم ہے اور خود کو بے عزت کرنے کی کوشش عقل و شرع دونوں کے میزان میں ایک احمقانہ حرکت ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھیجا تھا، لیکن قرآن کریم میں متعدد جگہ اس بات کی صراحت بھی فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری بہتر اسلوب میں اللہ کی طرف سے آئے ہوئے پیغام کو لوگوں تک پہنچادینا ہے، زبردستی لوگوں کو دین پر لانا اور اُن کو اچھے اخلاق سے متصف کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ کار میں نہیں ہے: "لَسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ" (الغاشیۃ: ۲۲، نیز دیکھیے: الکہف: ٦)

ہم اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت واصلاح کے کاموں میں نائب ہیں، لہٰذا ہماری بھی ذمہ داری بس اتنی ہے کہ ہم لوگوں تک صحیح پیغام پہنچانے کی کوشش کریں؛ لیکن اصلاح کی اس کوشش میں یہ ہمارے لیے لازمی اور ضروری ہے کہ صحیح اسلامی اور اخلاقی خطوط پر یہ کام کریں، اصلاح کے نام پر غیر اخلاقی ہتھکنڈوں کو استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ در حقیقت یہ اصلاح کا طریقہ بھی نہیں ہے؛ بلکہ اپنے نفس اور شیطان کی پیروی ہے اور اپنے اندر پائی جانے والی غیر اخلاقی خواہشات کی تسکین کا ایک ذریعہ ہے۔ سوشل میڈیا کے ایسے مصلحین اور مفکرین سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ کتاب وسنت، عقلِ سلیم اور اخلاق کے معیار کو سامنے رکھ کر یہ غور کریں کہ کیا واقعی وہ مصلحین اور مفکرین ہیں یا اپنے غیر اخلاقی جذبات کی تسکین کا سامان فراہم کرنے کی کوشش میں لگے ہیں؟! اور در حقیقت اصلاح کے پردے میں فساد پھیلانے کا بدترین کام کر رہے ہیں؟! جس پر اللہ عزوجل نے سخت وعید فرمائی ہے۔

میراث میں عورتوں اور یتیم پوتوں کا حصہ (موجودہ اشکالات کے تناظر میں)

ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد قاسمی

عنوان دو اجزاء پر مشتمل ہے: پہلا جز عورتوں کی میراث پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جواب، دوسرا جز یتیم پوتوں کو دادا کا ترکہ نہ ملنے پر ہونے والے اعتراضات اور ان سب کے جواب!

آیئے! پہلے عورتوں کی میراث اور اُن پر ہونے والے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں، فرانس کا ایک مستشرق ہے، جس کا نام (Gaston wiet) گیسٹن ویٹ ہے، اس نے لکھا ہے کہ ''اسلام میں عورتوں کو ذلیل و حقیر رکھا گیا ہے؛ یہاں تک کہ میراث میں بھی اس کا حصہ مرد سے آدھا ہے۔'' (مفتریات ص۳۸، مؤلفہ: محمد عبداللہ السمان بحوالہ: تکبیر مسلسل مارچ ۲۰۱۷ء)

جواب: (۱) اس اعتراض کا تجزیہ کیجیے کہ کیا یہ الزام درست ہے؟ کیا ساری عورتوں کو اسلام نے مردوں کے مقابلے میں آدھا دیا ہے، یا چند عورتوں کو؟

ظاہر ہے کہ ساری عورتوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہے، جیسا کہ کتاب وسنت کے ''ابواب الفرائض'' میں تفصیل موجود ہے اور چند عورتوں کو لے کر اعتراض ہے تو اتنا بڑا پروپیگنڈہ کیوں؟ پورے اسلام کو بدنام کیوں کیا جارہا ہے؟ اگر غور کیجیے تو معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آئے گا، وہ یہ کہ ''اسلام نے مردوں سے دوگنا عورتوں کو دیا'' ہے، میراث کی سب سے مشہور کتاب اٹھایئے، اس میں ''اصحاب فرائض'' کو دیکھیے یعنی ان لوگوں کو جن کا ترکہ قرآن وسنت میں مذکور ہے، وہ کل بارہ افراد ہیں؛ جن میں آٹھ عورتیں ہیں اور مرد صرف چار ہیں، عورتوں میں (۱) بیوی، (۲) بیٹی، (۳) پوتی، (۴) حقیقی بہن، (۵) علاتی بہن، (۶) اخیافی بہن، (۷) ماں، (۸) دادی ہے اور مردوں میں (۱) باپ، (۲) دادا، (۳) اخیافی بھائی، (۴) شوہر ہے۔

گویا اسلام نے عورتوں کی زیادہ تعداد کو ترکہ دیا ہے، یعنی حصہ پانے والی عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں دوگنی ہے۔

یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مردوں کو اگر دوگنا دیا گیا ہے تو یہ اس وجہ سے معقول ہے کہ ان کی تعداد عورتوں کے مقابلے میں آدھی ہے تو دوگنا ملنا ہی چاہیے، تبھی تو دونوں صنفوں میں برابری ہوگی! اب یہ کہنا کہ عورتوں کو اسلام نے ذلیل رکھا ہے بالکل غلط ہوگا؛ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اسلام نے عدل کیا ہے عورتوں کو عزت دی ہے، دوسرے مذاہب میں عورتوں کو ترکہ سے بالکل محروم رکھا گیا ہے۔

غیر اسلامی قوانین ومذاہب میں میراث

اگر کوئی اسلام پر اعتراض کرتا ہے تو اُسے اسلام سے اچھا کوئی آسمانی یا انسانی قانون یا مذہب کے طور پر مانا ہوا قانون پیش کرنا چاہیے، جس میں اسلامی قانون کی طرح پورے بسط وتفصیل کے ساتھ میراث کا قانون موجود ہو، مذاہب عالم کو اسلام سے حقیقت میں کوئی تقابل نہیں؛ اس لیے کہ وہ یا تو انسانوں کے بنائے ہوے ہیں، یا ان میں اتنی تبدیلی ہوئی ہے کہ ان کا آسمانی ہونا مشکل ہے اور الٰہی قانون کہنا کسی طرح درست نہیں؛ لیکن ان کے ماننے والے دنیا میں ہیں تو کیا کوئی میراث کے اسلامی قانون کی طرح کوئی تفصیلی قانون دکھا سکتا ہے؟ جو اسلام سے بہتر ہو! ہرگز نہیں، سو بار ہرگز نہیں!

عورتوں کے میراث کے پہلو کو لیجیے! تو معلوم ہوگا کہ روے زمین کے تقریباً سارے قوانین ومذاہب میں عورتوں کو میراث سے محروم رکھا گیا ہے، مثال کے طور پر ذیل میں چند مذاہب کا جائزہ لیتے ہیں:

(الف) ''یونانی قانون'' میں ترکہ صرف لڑکوں کو دیا گیا تھا، اس کی دلیل یہ تھی کہ خاندانی مسائل وحالات کی نگرانی لڑکا ہی کرتا ہے، گھریلو حقوق وفرائض وہی ادا کرتا ہے؛ اس لیے اسی کو ترکہ ملے گا۔ لڑکیوں کے اندر یہ صلاحیت نہیں اور ان کی یہ ذمہ داری نہیں ہے؛ اس لیے لڑکیوں کو ترکہ نہیں ملے گا۔ (احکام المیراث ص۵۷ مؤلفہ ڈاکٹر محمد محمد براج بحوالہ تکبیر مسلسل مارچ ۲۰۱۷ء)

(ب) ''بابلی قانون'' میں بھی لڑکیوں کو اس صورت میں ترکہ نہیں دیا جاتا تھا جب کہ میت کا لڑکا یا بھائی موجود ہوتا تھا، اگر دونوں موجود نہ ہوتے تو لڑکیوں کو ترکہ ملتا تھا۔ (الاعجاز لنظام المیراث، مؤلفہ احمد یوسف سلیمان)

(ج) ''یہودی مذہب'' میں میت کی لڑکی کو اسی وقت ترکہ ملتا تھا جب کہ میت کا کوئی لڑکا موجود نہ ہوتا۔ اسی طرح یہ بھی شرط تھی کہ لڑکی کو اسی وقت ترکہ ملے گا جب کہ وہ اپنے قبیلے اور خاندان میں بیاہی جائے، اگر خاندان سے باہر شادی ہوتی تھی تو اس کو ترکہ نہیں ملتا تھا، یہودی مذہب میں بیوی کو بھی ترکہ نہیں دیا جاتا تھا اور بیوی کی کمائی اور اس کے ترکے کا مستحق اس کا شوہر ہوتا تھا۔ (تورات: کتاب گنتی باب ۲۱، ۲۷، باب ۳۶)

(د) ”عیسائی مذہب“ میں عورتوں کو ناپاک مخلوق مانا جاتا تھا، ان کے یہاں الگ سے کوئی قانونِ میراث نہیں ملتا؛ مگر عیسیٰ علیہ السلام چوں کہ بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء ہیں اور تورات کے بدلے ہوئے احکام کو درست کرنے کے لیے تشریف لائے تھے؛ اس لیے مستقل احکامات انجیل میں نہیں ملتے، بالفرض یہ کہا جاسکتا ہے کہ عیسائیوں کے یہاں بھی اصولی طور پر توارت کا حکم ہی مسلم ہے۔ یعنی ان کے یہاں بھی لڑکوں اور چچاؤں کی موجودگی میں لڑکیوں کو نہ دیا جانا مسلم تھا۔

(نوٹ) یہاں ایک سوال ہوگا کہ اگر یہودی اور عیسائی اپنے مذہب کے آسمانی اور الٰہی ہونے کا دعویٰ کریں تو کیا یہ مانا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لڑکیوں کو لڑکوں اور چچاؤں کی موجودگی میں مرحوم فرمایا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ تورات و انجیل میں تحریفیں ہوتی رہی ہیں؛ اس لیے یہ حکم بھی انھیں تحریفات میں سے ہوسکتا ہے؛ اور یہ کہ اس لیے بھی قرینِ قیاس ہے کہ میراث کے احکامات قرآن مجید میں بڑے اہم اور سخت ہیں، میراث پر عمل نہ کرنے والا فاسق اور زبان سے انکار کرنے والا اور میراث کے قرآنی احکامات کو نہ ماننے والا کافر ہے؛ اس لیے اس کے لیے ہمیشہ ہمیش جہنم میں رکھے جانے کی وعید آئی ہے۔ (نسائی: ۱۴) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تورات وغیرہ میں یہ حکم قرآن کی طرح ہوگا؛ مگر لوگوں نے اس میں تحریف کی ہوگی۔

(ھ) ”ہندو مذہب“ میں بھی میراث میں عورتوں کا کوئی حق نہ تھا، منوسمرتی (۹/۱۰۲) میں لکھا ہے کہ ”ماں باپ کی ساری دولت بڑا بیٹا لے، چھوٹا اور منجھلا بھائی بڑے بھائی سے اوقات گزاری کریں، جس طرح والدین سے پرورش پاتے تھے۔“ (مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ ص ۱۶۱)

یجر وید، اتھر وید وغیرہ کا خلاصہ یہ تھا:

1- عورت اور شودر دونوں نِردھن (مال سے محروم) ہیں۔
2- لڑکی باپ کی جائیداد کی وارث نہیں ہے۔

3- اگر کسی بیوہ کو اپنے شوہر کی طرف سے کوئی جائیداد ملی ہوئی ہے تو وہ اُسے بیچ نہیں سکتی۔
4- لڑکا نہ ہو تب بھی لڑکی وارث نہیں ہوسکتی؛ البتہ متبنّٰی یعنی لے پالک وارث ہوگا۔ (مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ ص ۱۲۸)

ہندوستان کے قانون میں ۲۰۰۵ء میں ہندو عورت کو یہ حق دیا گیا کہ باپ کی مشترکہ جائیداد میں لڑکی کا حصہ بھی لڑکے کے برابر ہوگا۔ (تکبیر مسلسل مارچ ۲۰۱۷ء)

(و) ”عرب“ میں زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو ترکہ نہ دینے کا رواج تھا، اسی پر سارے عرب عمل کرتے تھے، ان کے یہاں ”جس کی لاٹھی اس کی بھینس“ تھی، وہ کہتے تھے:

كَيْفَ نُعْطِي الْمَالَ ؟ مَنْ لَا يَرْكَبُ فَرَسًا وَلَا يَحْمِلُ سَيْفًا وَلَا يُقَاتِلُ عَدُوًّا (المواریث ص ۲۱)

ترجمہ: ہم (اس صنف کو) مال کیسے دیں؟ جو نہ گھوڑے پر سوار ہوتی ہے، نہ تلوار اٹھاتی ہے اور نہ دشمن سے جان توڑ مقابلہ کرتی ہے!

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے یہاں عورتوں اور بچوں کو کوئی مال نہ دیا جاتا تھا، نہ ترکہ اور نہ مال غنیمت وغیرہ؛ بلکہ عورتیں مردوں کی دست نگر اور محتاج ہوتی تھیں، ان کا کھانا، خرچہ، کپڑا اور رہائش مرد برداشت کرتے تھے؛ اس لیے ترکہ بھی نہ دیتے تھے۔ اسلام نے عورتوں کو انصاف دیا، جہاں اُن کو زندہ درگور ہونے سے بچایا، وہیں گھر کی ملکہ بناکر ترکہ اور میراث میں ان کا حصہ مقرر کیا، اُن کو کسی کا محتاج نہ چھوڑا۔

اوپر متعدد مشہور مذاہب میں وراثت کے قانون کا جائزہ لیا گیا، ان کو دوبارہ پڑھیں، اندازہ ہوجائے گا کہ عورتوں کو ترکہ اور میراث سے محروم رکھنے میں سب کے سب متفق ہیں، سب ہم آواز ہیں نہ تو یونانی اور بابلی قوانین میں عورتوں کو ترکہ دیا گیا ہے، نہ یہودیت و عیسائیت میں اور نہ ہی ہندو مذہب اور عربی مذہب میں اس کمزور صنف کی اشک شوئی کی گئی ہے۔

یہاں سوال ہوتا ہے کہ جب دیگر مذاہب میں عورتوں کو بالکل دیا ہی نہیں گیا ہے تو ان پر اعتراض کیوں نہیں ہوتا، اسلام اُن سے بہر حال بہتر ہے کہ دیا تو ہے چاہے آدھا ہی سہی! اس کے جواب سے پہلے ہمارے یہاں کی مثل سنیے: ”غریب کی بیوی سب کی بھوجائی“ (بھابی) یعنی غریب کی بیوی سے سب مذاق کرتے ہیں، آج اسلام غریب ہے؛ اس لیے مذاق بنا ہوا ہے۔

صرف اور صرف اسلامی قانون میں عورتوں کو عدل کے پیمانے سے تول تول کر ترکہ دیا گیا ہے، اسلام میں عدل ہے، جس کی مثال کسی دوسرے قانون میں کہیں بھی موجود نہیں۔

جواب (۲): اسلام پر اعتراض تھا کہ عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں آدھا ترکہ دیا گیا ہے، اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ پورے قانون میں ذوی الفروض کا اگر جائزہ لیا جائے تو صرف تین جگہ ایسا ملے گا اور وہ اس وقت جب کہ مذکر و مؤنث دونوں ایک ہی درجے میں ہوں۔

1- جب بھائی بہن کے ساتھ وارث ہوں، اس کی چار شکلیں بنیں گی:

(الف) جب میت کے بیٹے بیٹی وارث ہوں

(ب) جب میت کے پوتے پوتی وارث ہوں
(ج) جب میت کے حقیقی بھائی بہن وارث ہوں
(د) جب میت کے علاتی بھائی بہن وارث ہوں

2- جب میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث ہوں تو اولاد ہونے کی صورت میں شوہر کو ربع (چوتھائی) اور بیوی کو ثمن (آٹھواں) ملتا ہے اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں شوہر کو نصف (آدھا) اور بیوی کو رُبع (چوتھائی) ملتا ہے، ان میں غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ شوہر کو بیوی کا دوگنا دیا گیا ہے۔

3- جب ماں اور باپ وارث ہوں اور دوسرا کوئی نہ ہو تو ماں کو ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی ترکہ عصبہ ہونے کی وجہ سے ملتا ہے۔

مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں مذکر کو دوگنا دیا گیا ہے، وہ بھی باریک حکمتوں کے پیش نظر حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ "حجۃ اللہ البالغہ" (۲/۷۴۳) میں لکھتے ہیں:

أَنَّ الذكَرَ يُفَضَّلُ على الأنثىٰ إذا كانا في منزلة واحدة أبدًا: لاختصاص الذكور بحماية البيضة والذب عن الذمار؛ ولأَنَّ الرجالَ عليهم إنفاقاتٌ كثيرةٌ فهم أحق بما يكون شبه المجان بخلاف النساء فإنَّهُنَّ كَلٌّ على أزواجهن أو آبائهِنَّ أو أبنائِهِنَّ. وهو قوله تعالىٰ: الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ (نساء: ۳۴)

ترجمہ: مرد کو عورت پر (ترکہ میں) صرف اسی صورت میں ہمیشہ ترجیح دی گئی ہے جب کہ دونوں ایک درجے میں ہوں، (گویا اوپر کی ساری شکلیں اس میں آگئیں) وطن کی حمایت اور اپنوں کے دفاع میں مرد کے خاص ہونے کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ مردوں پر بہت سے اخراجات لازم ہیں؛ اس لیے مفت کی طرح ملنے والے مال کے زیادہ حق دار ہیں، برخلاف عورتوں کے؛ اس لیے کہ وہ (بلا نکاح) اپنے باپ دادا، بیٹے پوتے اور (نکاح کے بعد) اپنے شوہروں پر بوجھ ہوتی ہیں اور یہ (باتیں) اللہ تعالیٰ کے قول (میں) ہیں: مرد عورتوں پر نگراں ہیں، اس فوقیت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر دی ہے اور اس وجہ سے کہ وہ اپنا مال (ان کی کفالت میں) خرچ کرتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہاں "ایک" بات تو یہ بیان فرمائی کہ مردوں کو عورتوں سے دوگنا صرف اس صورت میں ملتا ہے جب کہ دونوں ایک ہی درجے کے ہوں، یہ بات اوپر کی تینوں صورتوں میں خوب واضح ہے کہ ماں باپ، میاں بیوی اور بھائی بہن سب ایک درجہ میں ہیں۔

"دوسری" بات یہ فرمائی کہ ترکہ میں مردوں کو دو وجہ سے زیادہ ملتا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ مرد مردانگی کے کام کرتا ہے، اپنے اہل وعیال کی حفاظت میں شیر دل ہو کر بیٹھا رہتا ہے، عزت، آبرو اور جان ومال کی حفاظت کے لیے لڑنے کی نوبت آتی ہے تو لڑتا بھی ہے، اس میں شاہ صاحب نے دیگر مذاہب اور عرب کے قیاسی استدلال کو ملحوظ رکھا اور دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ عورت پر مرد خرچ کرتا ہے، گویا "آمدنی بقدر خرچ" کے اصول پر عمل کرتے ہوئے مردوں کو دوگنا دیا گیا کہ وہ بیوی بچے، ماں باپ اور خود اپنے اوپر خرچ کرتا ہے، اولاد کی تعلیم وتربیت اور ان کی بیاہ شادی پر خرچ کرتا ہے، بیوی کا مہر دیتا ہے، کھانا، کپڑا اور رہائش کا انتظام کرتا ہے، آنے والے مہمانوں کی ضیافت کرتا ہے، صدقہ خیرات کرتا ہے، گھر کے لوگوں کے دوا علاج پر خرچ کرتا ہے، کبھی کوئی جرمانہ کسی پر عائد ہوا تو اس کی ادائیگی کرتا ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

والحكمةُ أنَّ الرجال تلحقهم مُؤَنٌ كثيرةٌ بالقيام بالعِيَالِ وَالضِّيفان والأرقّاء والقاصدين ومؤاسات السائلين وتَحَمُّلِ الغرامات وغير ذلك. (شرح صحيح مسلم)

ترجمہ: (مردوں کو میراث زیادہ دینے کی) حکمت یہ ہے کہ مردوں پر بہت سی مالی ذمہ داریاں آپڑتی ہیں، اہل وعیال، مہمان، غلام، آنے جانے والے کی ذمہ داری، مانگنے والوں کی دل جوئی اور تاوان کا بوجھ وغیرہ۔

رہی عورت تو اس کا اسلام میں کوئی خرچہ نہیں، شادی سے پہلے اور شادی نہ ہو تو پوری زندگی وہ باپ کے پاس رہتی اور باپ اس کی کفالت کرتا ہے، باپ پر کفالت واجب ہے اور شادی کے بعد شوہر پر شریعت نے نفقہ واجب کیا ہے اور اگر باپ نہیں ہے تو بیٹے پھر بھائی پھر چچا پر نفقہ واجب ہے؛ بلکہ محتاج ہونے کی صورت میں محرم رشتے دار پر بقدر میراث نفقہ واجب رہتا ہے اور وارث کو اس پر مجبور کیا جائے گا۔

والنفقة لكل ذي رحم محرم؛ إذا كان صغيرًا فقيرًا أو كانت امرأة بالغة فقيرة أو كان ذكرًا بالغًا فقيرًا زَمِنًا أو أعمٰى۔ (ہدایہ ۲/۱۹۲ مکتبہ بُشری کراچی) ويجب على مقدار الميراث ويجبر عليه۔ (ایضًا)۔

ترجمہ: ہر محرم رشتے دار کا خرچہ اس وقت واجب ہے جب کہ وہ نابالغ اور محتاج ہو یا عورت محتاج بالغ ہو یا بالغ محتاج اپاہج یا اندھا ہو اور نفقہ (بالفرض) وراثت پانے کی مقدار کے مطابق واجب ہوتا ہے اور اس (کی ادائیگی) پر رشتے دار کو مجبور کیا جائے گا۔

غور کرنے کا مقام

یہاں سوچنا چاہیے کہ عورت کو اسلام نے ایک طرف تو ترکہ میں حصہ دیا ہے، دوسری طرف مردوں پر اس کا خرچہ واجب ہے تو دونوں طرف سے تو اسی کو ملا اور کسی کا خرچہ اس کے ذمہ واجب نہیں ہے تو اس کا تو سب بچا ہی رہ جائے گا، میراث کے ساتھ زندگی بھر کا خرچہ مل جاتا ہے؛ اس لیے وہ بڑے مزے میں رہتی ہیں اور مسلمان عورتوں کا پرس کبھی خالی نہیں رہتا۔

ایک تجربہ

عورتوں کا پیسہ بچا رہتا ہے اور مرد کا خرچہ ہوتا رہتا ہے، اس کا ایک تجربہ ناچیز کو حیدر آباد دکن میں ہوا، بیس سال پہلے جب میں وہاں "دار العلوم" میں مدرس تھا، تنخواہ ساڑھے تین ہزار تھی، اپنی عادت کے مطابق تنخواہ ملتے ہی اہلیہ کو دو سو روپے دے دیتا تھا؛ تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرلے اور بقیہ سے دوسری ساری ضرورتیں پوری ہوتی تھیں، اتفاق سے ایک دن ایک مہمان آگئے مہینے کا آخری عشرہ چل رہا تھا، ضیافت کا انتظام نہیں تھا، قرض لیتے ہوئے شرم آرہی تھی، اہلیہ نے میری پریشانی کو محسوس کیا، اس نے کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں میرے پاس پیسے ہیں، میں نے کہا: تمہارے پاس کہاں سے؟ اس نے کہا کہ آپ جو ہر مہینے دیتے ہیں وہ میرے پاس موجود ہے، پورا گھر تو آپ کی جیب سے چلتا ہے، میرا پیسہ کہاں خرچ ہوگا؟ اس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا کہ قرض کے طور پر دے دو؛ تاکہ ضیافت ہوجائے اور تنخواہ ملنے کے بعد یاد سے لے لینا۔ اب اطمینان ہوا اور مہمان کی ضیافت قدرے اچھے انداز میں ہوگئی۔

اس واقعہ میں غور کیجیے کہ گھر کے ذمہ دار مرد کے پاس تین ہزار روپے ہیں وہ خرچ ہوگئے اور عورت کے پاس صرف دو سو روپے ہیں وہ جمع ہیں اور کئی مہینوں کے جمع ہیں، تو اگر اسلام نے عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں آدھا دیا تو وہ بھی بہت ہے۔

شیخ صابونی کی ایک مؤثر مثال

جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کے استاذ تفسیر وفرائض شیخ محمد علی صابونیؒ نے فرائض کے موضوع پر ایک لاجواب کتاب لکھی ہے، اس کا نام ہے، "المواريث في ضوء الكتاب والسنة" اس کتاب میں انھوں نے لکھا ہے کہ فرض کرو کہ ایک آدمی کا انتقال ہوا، اس کے ورثاء میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، ترکہ تین ہزار ریال ہے، لڑکے کو دو ہزار اور لڑکی کو ایک ہزار ملے، اتفاق سے لڑکے کی شادی ہوئی اس کی بیوی کا مہر دو ہزار ہے تو اس نے پورے دے دیے اور اس کا ہاتھ خالی ہوگیا ابھی اس کے ذمے بیوی کا نان ونفقہ لباس اور رہائش کا انتظام باقی ہے، ادھر لڑکی کی شادی ہوئی اس کو اپنے شوہر سے مہر مثلاً دو ہزار ملے، اس طرح اس کے پاس تین ہزار ریال جمع ہوگئے، اس کا خرچہ نہ پہلے تھا اور نہ بعد میں ہے؛ بلکہ کھانا، خرچہ، لباس وپوشاک اور رہائش کا انتظام سب کچھ اس کے شوہر کے ذمے ہے۔

اب اندازہ کیجیے کہ اسلام میں ترکہ کی تقسیم عقل وانصاف کے مطابق ہے یا عقل وانصاف کے خلاف؟

اعتراض کرنے والے جہاں عورتوں پر ظلم کی باتیں کرتے ہیں، وہیں اپنے ظلم کو اگر دیکھیں تو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی، انھوں نے عورتوں کو بکاؤ مال بنا رکھا ہے، دکانوں، ہوٹلوں اور قحبہ خانوں میں ان کی عزتیں نیلام ہورہی ہیں، اُن کو اخراجات کا انتظام کرنے کا مکلف بنایا جارہا ہے، حد یہ ہے کہ ان کے معاشرے میں بیوی اپنا کماکر خود کھاتی ہے شوہر اپنا کماکر کھاتا ہے، دونوں اپنی رہائش وآسائش کا انتظام خود کرتے ہیں؛ اس لیے ان کو اسلام پر اعتراض ہوتا ہے، وہ ایک آنکھ سے اسلامی احکام کو دیکھ کر اعتراض کرتے ہیں، اگر دونوں آنکھیں کھول کر اسلام کے سارے قوانین کا مطالعہ کریں تو ان کے دل کی آنکھیں بھی کھل جائیں!

اصل بات یہ ہے کہ اسلام نے عورت ہونے کی بنیاد پر بعض صورتوں میں فرق نہیں کیا ہے؛ بلکہ مالی ذمہ داریوں کا خیال کیا ہے، جس کی مالی ذمہ داری زیادہ ہے اس کو زیادہ دیا ہے، اس کی تعبیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "الخراج بالضمان" سے فرمائی ہے۔ (ترمذی ۱۲۸۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو نقصان برداشت کرتا ہے فائدہ بھی اسی کو ملتا ہے۔ اس کی دوسری تعبیر "الغُنْمُ بالغرم" بھی ہے، (الاشباہ والنظائر)۔

جواب (۳) یہ الزام ہے کہ اسلام نے عورتوں کو مردوں سے آدھا دیا ہے، درست نہیں؛ اس لیے کہ بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن میں عورتوں کو مردوں سے زیادہ دیا گیا ہے:

1- اگر کسی عورت کا انتقال ہوجائے اور اس کے ورثاء میں شوہر، ماں باپ اور دو بیٹیاں ہوں اور ترکہ سو روپے ہوں تو شوہر کو بیس، ماں اور باپ میں سے ہر ایک کو تیرہ روپے تینتیس پیسے اور دونوں بیٹیوں کو مشترکہ طور پر ترپن روپے تینتیس پیسے ملیں گے؛ لیکن اگر دو بیٹی کی جگہ دو بیٹے ہوں تو بیٹے کو مشترکہ طور پر صرف اکتالیس روپے چھیاسٹھ پیسے ملیں گے اور باپ اور ماں میں سے ہر ایک کو سولہ روپے چھیاسٹھ پیسے ملیں گے اور شوہر کو پچیس روپے ملیں گے۔ تو دیکھیے کہ اس صورت میں بیٹی کی جگہ اگر بیٹا ہو تو بیٹی کا حصہ زیادہ اور بیٹے کا حصہ کم ہے۔ تو یہ کہنا درست نہیں کہ اسلام نے بیٹے کو زیادہ دیا ہے اور بیٹی کو کم۔

2- مذکورہ بالا مثال میں اگر بیٹی ایک ہو اور ترکہ سو روپے ہوں تو بیٹی کو چھیالیس روپے پندرہ پیسے ملیں گے اور ایک بیٹا ہو تو اسے اکتالیس روپے چھیاسٹ پیسے ملیں گے۔ یہاں بھی لڑکے کو کم اور لڑکی کو زیادہ مل رہا ہے۔ اس صورت میں شوہر کو پچیس روپے اور ماں اور باپ میں سے ہر ایک کو سولہ روپے چھیاسٹھ پیسے ملیں گے۔

3- اگر ورثاء میں شوہر، ماں اور دو حقیقی بہنیں ہوں اور ترکہ سو روپے ہو تو شوہر کو سینتیس روپے پچاس پیسے ملیں گے، ماں کو بارہ روپے اٹھائیس پیسے اور دونوں بہنوں کو پچاس روپے ملیں گے۔

اگر دو حقیقی بہنوں کی جگہ دو حقیقی بھائی ہوں تو حقیقی بھائی کو صرف تینتیس روپے تینتیس پیسے ملیں گے اور شوہر کو پچاس روپے اور ماں کو سولہ روپے چھیاسٹھ پیسے ملیں گے۔

4- اگر کسی کا انتقال ہو جائے اور وہ شوہر، ماں اور حقیقی بہن چھوڑے اور ترکہ سو روپے ہوں تو شوہر کو بیالیس روپے پچاسی پیسے، ماں کو چودہ روپے اٹھائیس پیسے اور بہن کو بیالیس روپے پچاسی پیسے ملیں گے اور اگر اس صورت میں بہن کی جگہ ایک حقیقی بھائی ہو تو بھائی کو تینتیس روپے تینتیس پیسے ملیں گے اندازہ لگائیں کہ بہن کو بھائی کے مقابلے میں کتنا زیادہ مل رہا ہے۔ یہی اسلام کی نوازش ہے؛ اس لیے یہ اعتراض بے جا ہے کہ اسلام میں عورتوں پر ظلم ہوا ہے۔

5- بعض صورتوں میں عورت کا حصہ مرد سے کافی بڑھ جاتا ہے، مثال کے طور پر ایک آدمی نے اپنی بیوی، ماں، دو حقیقی بھائی اور دو اخیافی بہن چھوڑی اور ترکہ سو روپے ہیں تو بیوی کو پچیس روپے، ماں کو سولہ روپے اور حقیقی بھائی کو پچیس روپے اور اخیافی بہن کو تینتیس روپے تینتیس پیسے ملیں گے؛ لیکن اگر کسی عورت کا انتقال ہو اور وہ شوہر کے ساتھ دو حقیقی بھائی اور دو علاتی بہنوں کو چھوڑے تو ترکہ شوہر کو پچاس روپے اور دونوں حقیقی بھائیوں کو سولہ روپے چھیاسٹھ پیسے اور دونوں علاتی بہنوں کو تینتیس روپے تینتیس پیسے ملیں گے۔ یہاں دیکھیے کہ دونوں صورتوں میں عورت کو مرد سے زیادہ ترکہ مل رہا ہے، تو کس منہ سے کہا جائے کہ اسلام نے عورت کو کم دیا ہے؟

6- اگر کسی نے اپنے شوہر، ماں، اخیافی بہن اور دو حقیقی بھائی کو چھوڑا اور ترکہ سو روپے ہیں تو شوہر کو پچاس، ماں کو سولہ روپے چھیاسٹھ پیسے، تنہا اخیافی بہن کو سولہ روپے چھیاسٹھ پیسے اور دونوں حقیقی بھائیوں کو مشترکہ طور پر سولہ روپے چھیاسٹھ پیسے ملیں گے تو یہاں دیکھیے کہ عورت کو اس کے برابر والے مرد کے مقابلے میں دوگنا مل رہا ہے۔ یہاں تو معاملہ بالکل الٹا ہو گیا کہ مرد کو عورت کے مقابلے میں آدھا ملا، تو کیا اعتراض کرنے والے اندھے ہیں؟ یا اللہ نے انھیں اندھا کر دیا ہے کہ نظر نہیں آرہا ہے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی تھا

عورت وارث ہوتی ہے مرد نہیں

بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ ان میں عورت وارث ہوتی ہے اور اگر اس کی جگہ اسی کا ہم رتبہ مرد ہو تو وہ وارث نہیں ہوتا، مثال کے طور پر ایک عورت کا انتقال ہوا، اس نے اپنے شوہر، باپ، ماں، بیٹی کے ساتھ پوتی کو چھوڑا تو پوتی وارث ہوگی اس کو چھٹا حصہ ملے گا؛ لیکن اگر اس کی جگہ پوتا ہو تو وہ عصبۂ قریب باپ کی وجہ سے محروم ہو جائے گا۔

جن صورتوں میں عورتوں کو مردوں کے برابر حصہ ملتا ہے

1- اگر کسی نے اپنے ورثاء میں ماں، باپ اور دو لڑکے چھوڑے تو ماں اور باپ دونوں کو الگ الگ چھٹا حصہ ملے گا اور بیٹا عصبہ ہوگا۔

مسئلہ چھ سے بنے گا باپ کو ایک، ماں کو ایک اور لڑکے کو چار ملیں گے۔

اس صورت میں اگر لڑکے کی جگہ میں دو لڑکی ہو تو اس کو دو تہائی ملے گا، یعنی چھ میں سے چار ملیں گے، گویا اس صورت میں اگر لڑکا ہو تو یا لڑکی ہو تو دونوں کو چھ میں سے چار ملیں گے، دونوں برابر ہوں گے۔

۲-ماں شریک بھائی اور بہن دونوں کو برابر حصہ ملتا ہے، یہاں مرد عورت برابر کے مستحق ہیں۔ اس کی صراحت قرآن کریم میں ہے۔

2- اگر کوئی آدمی صرف بیٹا چھوڑے تو سارا ترکہ بیٹا کو ملے گا، تو اگر وہ صرف بیٹی کو چھوڑے تو بھی سارا ترکہ بیٹی کو ملے گا، مطلب یہ کہ تنہا ہونے کی صورت میں بیٹا ہو یا بیٹی دونوں برابر کے حصہ دار ہوتے ہیں۔

3- اگر کوئی عورت شوہر اور حقیقی بھائی کو چھوڑے تو دونوں کے درمیان ترکہ آدھا آدھا تقسیم ہوگا شوہر ذوالفرض ہونے کی حیثیت سے آدھا لے گا اور بھائی عصبہ ہونے کی وجہ سے بچا ہوا آدھا لے گا۔

اگر اس صورت میں بھائی کے بجائے ایک بہن ہو تو وہ بھی ذوالفرض ہونے کی حیثیت سے شوہر کے ساتھ آدھا ترکہ لے گی۔ گویا اس صورت میں عورت ہو تو بھی یا مرد ہو تو بھی دونوں کو برابر ملے گا۔

4- مرنے والا اگر کوئی ماں باپ کے ساتھ ایک لڑکا چھوڑے تو ماں اور باپ دونوں کو برابر یعنی سدس ملے گا۔

جواب (۴): یہ الزام کہ اسلام نے عورتوں کو مردوں سے کم دیا ہے؛ اس لیے بھی درست نہیں کہ قرآنِ پاک میں حصے کل چھ ہیں: ثلثان، (دو تہائی) نصف (آدھا) ثلث (تہائی) ربع (چوتھائی) سدس (چھٹا) ثمن (آٹھواں)۔

(الف) ان سب میں سب سے بڑا حصہ ثلثان (دو تہائی) ہے، اس کو لینے والیاں صرف عورتیں ہیں، یعنی متعدد بیٹی، پوتی، حقیقی بہن اور علاتی بہن، کسی مرد کو یہ بڑا والا حصہ نہیں ملتا۔ اس سے بھی خوب واضح ہو گیا کہ اسلام نے عورتوں کو زیادہ دیا ہے۔

(ب) اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ان حصوں کو لینے والے ورثاء کل تیئس (۲۳) ہیں، ان میں سترہ عورتیں اور چھ مرد ہیں، اس سے بھی اندازہ لگائیے کہ اسلام نے عورتوں کو زیادہ دیے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ثلثان کو لینے والیاں تو اوپر ذکر کی گئیں، نصف بھی وہی چار لیتی ہیں اور ساتھ ہی شوہر کو بھی ملتا ہے۔ ثلث ماں، ماں شریک بھائی، ماں شریک بہن کو ملتا ہے۔ کل بارہ ہو گئے، ربع میاں بیوی کو ملتا ہے، سدس آٹھ لوگوں کو ملتا ہے یعنی ماں، دادی، پوتی، علاتی بہن، اخیافی بہن، اخیافی بھائی اور باپ دادا۔ اور آٹھواں صرف بیوی کو ملتا ہے کل تیئس افراد ہوئے۔ دیکھیے مرد صرف چھ جگہ نظر آئیں گے۔ تو اسے عورت پر ظلم کس طرح کہا جا سکتا ہے؟ یہ تو عورتوں پر اسلام کے نوازشات ہیں۔

اسلام کو چھوڑ کر رواج کو اپنانا

جب متحدہ ہندوستان پر اسلامی حکومت تھی تو وراثت کی تقسیم کے لیے اسلامی قانون رائج تھا اور مغلیہ حکومت تک اس پر عمل ہوتا چلا آ رہا تھا؛ مگر جب انگریزوں کا غلبہ ہو گیا اور وہ پورے ہندوستان پر قابض ہو گئے تو انھوں نے مسلمانوں سے ایک سوال کیا کہ آپ لوگ قرآن وسنت کے مطابق ترکہ تقسیم کرنا چاہتے ہیں یا رواج کے مطابق؟ دونوں میں فرق یہ تھا کہ اسلامی قانون میں عورتوں کو ترکہ ملتا ہے جب کہ رواج نہ دینے کا ہے تو کیا آپ لوگ لڑکیوں کو دینا چاہتے ہیں یا نہیں؟

تو اس کا جواب ہندوستان کے کئی اضلاع سے یہ آیا کہ ہم لوگ رواج مطابق ترکہ تقسیم کرنا چاہتے ہیں، عورتوں کو دینا نہیں چاہتے، (مفید الوارثین ص۳۲) یہ کتنا افسوس ناک جواب تھا، اس کو وہی آدمی سمجھ سکتا ہے جس کے دل میں اللہ کے قانون کی عظمت ہے، جو قرآن وسنت پر ایمان ویقین رکھتا ہے، جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے محبت اور عشق ہے۔

یہ مشرکانہ جواب ان زمینداروں کا تھا جو دنیا کی محبت میں قرآن مجید کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے اور آخرت پر کامل یقین نہیں رکھتے تھے، ان کو معلوم نہیں تھا کہ زبان سے ترکہ کا انکار کرنا گناہ کبیرہ ہے اور عملاً نہ دینا فسق ہے اور قرآن کے حکم کو حکم نہ سمجھنا کفر ہے جس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ ان کا جواب ان عرب جاہلوں کے جواب کی طرح تھا جو لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے، یتیموں کا مال کھاتے اور میت کا بڑا لڑکا، یا بھائی یا چچا وغیرہ مال پر قبضہ کر لیتا تھا۔ مالوں پر قبضہ باقی رکھنے کے لیے یتیم لڑکیوں کا نکاح نہیں کرتے تھے۔

میراث غصب کرنے کے لیے بہنوں کی تقسیم کا حیلہ

ہندوستان کے مختلف علاقوں میں عورتوں کو ترکہ سے محروم رکھنے کے لیے بھائی آپس میں بہنوں کی تقسیم کر لیتے ہیں، ہمارے بہار میں بھی یہ حیلہ چل رہا ہے، مثال کے طور پر دو بھائیوں کی چار بہنیں ہیں تو دونوں بھائی دو دو بہن کو اپنے حصے میں تقسیم کر کے لے لیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سب جب بھی میکے آئیں گی تو ان کی ضیافت متعلق بھائی کرے گا، واپسی کے وقت کپڑے اور دیگر ہدیے تحفے وہی دے گا اور ترکہ میں بہنوں کو حصہ نہیں دے گا، متعلقہ بہن ترکہ مانگ نہیں سکتی، اگر اس نے کبھی بھی ترکہ مانگا تو سارے لوگ اُسے اُلاہنا دیں گے اور بھائی قطع رحمی کی دھمکی دے گا کہ اگر تعلق باقی رکھنا ہے، آنے جانے کا سلسلہ قائم رکھنا ہے تو ترکہ نہیں ملے گا، اگر لے گی تو تیرے لیے میکے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

یہاں غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ رشتہ داریاں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی نعمت ہیں، انھیں کوئی کاٹ نہیں سکتا؛ انسان کے کاٹنے سے اللہ کا جوڑا ہوا رشتہ نہیں کٹتا ہے، اگر کوئی قطع تعلق کرے تو یہ گناہ کبیرہ ہوگا اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ عمل سزا کا سزاوار ہے۔

اس لیے بھائیوں کو ہدیہ تحفہ کی لالچ اور قطع تعلق کی دھمکی دے کر بہنوں کی میراث غصب کرنا جائز نہیں، یہ گناہِ کبیرہ ہے، اللہ کی تقسیم کو زمین پر قائم کرنا ہم لوگوں کا فریضہ ہے میراث کو خود اللہ تعالیٰ نے تقسیم فرمایا ہے؛ اس لیے ہمیں کسی طرح اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے! ایسا کرنا عرب کے جاہلوں جیسا عمل ہے جو اپنے قریبی رشتہ دار کی عورتوں کو اپنے پاس میراث کے طور پر رکھ لیتے تھے، قرآن پاک میں صاف فرمایا گیا:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا۟ ٱلنِّسَآءَ كَرْهًا (نساء:۱۹)

ترجمہ: اے مؤمنو! تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم عورتوں کو مجبور کر کے وارث بن جائو۔

عرب اپنے قریبی رشتہ دار کی وفات کے بعد عورتوں کو اپنے قابو میں کر لیتے تھے اور ان کے ساتھ چار طرح کا سلوک کرتے تھے۔

1- یا تو ان سے بلا مہر نکاح کر لیتے تھے، اگر نکاح کا رشتہ جائز ہوتا تھا، یا ان کو مہر نہیں دیتے تھے۔

2- یا کسی سے ان کا نکاح کرا دیتے اور مہر پر خود قبضہ جما لیتے تھے۔

3- یاان کو نکاح سے روکے رہتے تھے اور جب وہ اپنا سارا ترکہ اس کو دے دیتیں تو نکاح کی اجازت دیتے تھے۔

4- یاان کو موت تک اپنے پاس ہی رکھے رہتے اور مرنے کے بعد اُن کے مالوں پر قبضہ کرلیتے تھے۔ (جلالین)

اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر ظلم ہونے کی وجہ سے خصوصی طور پر آیتیں نازل فرمائیں؛ تاکہ ان کو اُن کا حق مل جائے اور مرد اپنا ترکہ اپنے حق سے زیادہ محض لاٹھی کے زور سے لے لیتے تھے؛ اس لیے ان کے لیے بھی قانون بنادیا؛ تاکہ زیادہ نہ لیں؛ لیکن نزولِ آیت کا اصل مقصد عورتوں کو حق دلانا تھا۔

عورت کو انصاف دینے کے لیے آیت میراث کا نزول

حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تھا، وہ شہید ہوگئے تھے ان کی بیوی، دو لڑکیاں زندہ تھیں، بھائی نے ترکہ پر قبضہ کرلیا، اب بیوی بہت پریشان ہوئیں، دونوں بچیوں کے گزر بسر اور شادی بیاہ کا مسئلہ سامنے تھا؛ چنانچہ ان کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں اور پورا قصہ سنایا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ارجعي فلعلَّ اللہ سیقضي فیہ" ابھی واپس جاؤ اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ جلد ہی اللہ تعالیٰ اس سلسلے میں فیصلہ فرمائیں؛ چنانچہ کچھ دنوں بعد وہ پھر دوبارہ واپس آئیں اور رونے لگیں، ان کی آہ آسمانوں کو پار کرکے عرش تک پہنچ گئی اور آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم بچیوں کے چچا کو بلایا اور حکم فرمایا کہ مرحوم کی دونوں بچیوں کو دو تہائی اور بیوہ کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو بچے وہ تیرا ہے۔ یہ میراث کی پہلی آیت ہے جو ایک مظلوم عورت کی دادرسی اور فریادرسی کے لیے نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر نسائ:۱۱)

عورتوں کی میراث سے عرب میں ہلچل

جب آیت میراث نازل ہوئی اور عورتوں کو ترکے کا مستحق قرار دیا گیا تو عرب میں اس کا چرچا ہونے لگا انھیں ایسا لگ رہا تھا کہ شاید یہ حکم غلط ہے، رسول اللہ... سے بھول ہوگئی ہے، لوگوں نے ایک دوسرے سے کہنا شروع کیا کہ ابھی اس حکم کو عام نہ کرو ہوسکتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ یارسول اللہ! ہم لڑکی کو باپ کے ترکے میں سے آدھا کس طرح دیں گے؛ جب کہ وہ گھوڑے پر سوار نہیں ہوتی ہے، نہ دشمن سے لڑتی ہے اور کیا ہم میراث میں بچوں کو بھی حصہ دیں؟ جب کہ وہ ہمیں کچھ کام نہیں آتے؛ چنانچہ ان لوگوں نے اپنی تسلی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا؛ مگر چوں کہ یہ حکم قطعی اور لازمی تھا؛ اس لیے ان کی ایک نہ سنی گئی۔ (طبری ۷/ ۲۳)

میراث کا حکم جبری ہے

میراث کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی ہے؛ اس لیے فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ یہ حکم جبری اور ضروری ہے، کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، علامہ شامی لکھتے ہیں:

الإرثُ جبريٌّ لایَسقُطُ بالإسقاط۔ (کتاب الدعویٰ ۷/۵۰۵، ایچ، ایم سعید)

ترجمہ: میراث (کا حکم) جبری ہے کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید فرمائی ہے اور اس کے لیے "وصیت" کی تعبیر اختیار فرمائی ہے جس کے معنی ہیں "بڑا تاکیدی حکم" پھر آگے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے باپ دادا اور بیٹے پوتے کے بارے میں نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمھیں زیادہ فائدہ پہنچائے گا (نسائ:۱۱) مقصد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی تقسیم کو بلا کسی غور وفکر کے مان لو، اسی میں خیر پوشیدہ ہے۔ پھر آگے فرمایا کہ ترکہ کی تعیین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ (بندوں کے احوال) خوب جانتے ہیں اور باریک گہری سوجھ بوجھ والے وہی ہیں۔ (نسائ:۱۱) اس لیے اُن پر ایمان لاکر حکم کو فوراً مان لو، اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ آگے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کے حدود ہیں اور جو اللہ اور اس کے پیغمبر کی بات مانے گا تو اُسے ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (نسائ:۱۳) اس کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے تصویر کے دوسرے رخ کو بھی واضح فرمادیا کہ جو اللہ اور اس کے پیغمبر کی بات نہیں مانے گا اور اللہ کے حدود (کھینچی ہوئی لکیروں) سے آگے بڑھے گا اُسے اللہ تعالیٰ آگ میں ڈالیں گے وہ اس میں سدا رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے (نسائ:۱۴)

مذکورہ بالا آیتوں کو بار بار پڑھیے اور اندازہ کیجیے کہ میراث کا حکم کتنا سخت ہے کہ اس کی مخالفت دائرۂ اسلام سے نکال دیتی ہے اور ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیتی ہے۔

حدیث میں وعید: حدیث شریف میں ہے، حضرت انسؓ سے روایت ہے:

مَنْ قَطَعَ مِیْراثَ وَارِثِہٖ قَطَعَ اللّٰہُ مِیْراثَہٗ مِنَ الجنَّۃِ یومَ القیامۃِ.
(مشکوٰۃ المصابیح ۱/ ۲۶۶ باب الوصایا)

ترجمہ: جو آدمی اپنے (ساتھ والے) وارث کی میراث کو کاٹ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کی میراث کو کاٹ دیں گے یعنی جہنم میں

بھیج دیں گے۔

یتیم پوتوں کی میراث

اب عنوان کے دوسرے جز پر گفتگو شروع کرتے ہیں، یعنی ”یتیم پوتوں کی میراث“۔ یتیم کا لفظ آتے ہی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اسی کے ساتھ محتاج ونادار ہونے کا خیال بھی آتا ہے۔ ہمدردی کا جذبہ پیدا ہونا تو ایک فطری بات ہے؛ مگر محتاج ہونا یتیم کا ضروری نہیں؛ اس لیے کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ یتیم کے پاس اس کے باپ کا چھوڑا ہوا بہت کچھ ہوتا ہے، یا کسی دوسرے رشتہ دار کی طرف سے اُسے کافی کچھ ملا ہوا ہوتا ہے یا ذاتی ملکیت بھی ہوتی ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم رہنا ضروری ہے کہ یتیمی بالغ ہونے سے پہلے ہوتی ہے، بالغ ہونے کے بعد آدمی یتیم نہیں کہلاتا، یہ شرعی اصطلاح ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لایُتمَ بعدَ حُلمٍ۔ (مجمع الزوائد ۱۷۵۳) یعنی بلوغت کے بعد یتیمی نہیں ہے؛ لیکن ہم اپنے عرف میں جوان بلکہ بوڑھے کو بھی باپ کے مرنے کے بعد یتیم کہہ دیتے ہیں، یہ شرعاً معتبر تعبیر نہیں ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ سمجھنا چاہیے کہ (الف) اسلام کا نظام میراث مستقل اصول وضابطے پر مبنی ہے، قرآن وسنت میں سارے حصوں کی صراحت موجود ہے۔

(ب) یہ انسان کا بنایا ہوا قانون نہیں ہے کہ اس میں تبدیلی ہوسکے، یہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا قانون ہے، اس میں ذرا برابر کم وکاست کرنا انسان کے بس میں نہیں؛ چاہے وہ نبی ہی کیوں نہ ہوں! اس لیے حضرت سعد بن الربیعؓ کی بیوی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے انتظار کا حکم فرمایا اگر آپ کے بس میں ترکہ کی تعیین ہوتی تو آپ خود متعین فرما کر تقسیم فرما دیتے۔

(ج) پھر یہ سمجھنا چاہیے کہ انسان جب تک زندہ رہتا ہے، وہ اپنے مال ودولت کا مالک رہتا ہے، اپنی زندگی میں وہ کسی کو دینا چاہے تو دے سکتا ہے، اپنے مال سے لین دین کے سارے معاملات کر سکتا ہے اور مرنے کے بعد کے لیے وہ ایک تہائی وصیت کر سکتا ہے اور اگر اس نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی ہے اور اس کے سارے ورثاء عاقل وبالغ ہیں تو تہائی سے زیادہ میں بھی وصیت جاری کر سکتے ہیں۔

(د) ترکہ کی تقسیم کا مدار شریعت نے قرابت (نزدیکی رشتے) پر رکھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے:

ألحقوا الفرائضَ بأهلِها فما بَقِيَ فَهُوَ لأَوْلٰى رَجُلٍ ذكرٍ. (بخاری ۹۹۷/۲، مشکوٰۃ ۲۰۴۲)

ترجمہ: (میراث کے) حصے، حصّے والوں کو دے دو پھر جو بچے تو وہ بہت قریب آدمی یعنی مرد کے لیے ہے۔

محتاجی پر ترکہ کا مدار نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو مال داروں کے وارث فقراء ومساکین ہوتے، میت کے مال دار بیٹے، پوتے، باپ، دادا، بیوی اور بھائی بہن نہ ہوتے۔

(ھ) اسی طرح یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ترکہ قریب ترین کو ملتا ہے اور دور والے محروم رہتے ہیں، اس کی صراحت ”الاقربون“ کی تعبیر کے ساتھ سورہ نساء (۷، ۳۳) میں تین جگہ آئی ہے۔ اسی کو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس طرح تعبیر فرمایا ہے:

الأصلُ في أن الأقربَ يَحْجُبُ الأبعَدَ حِرمانًا۔ (حجۃ اللہ البالغہ ۳۷۵/۲ مکتبہ حجاز دیوبند)

ترجمہ: ترکہ میں بنیاد یہ ہے کہ نزدیک والا دور والے کو بالکل محروم کر دیتا ہے۔

یہی شریعت کا تقاضا ہے اور عقل کا بھی؛ اگر ایسا نہ ہو اور قریب اور دور سب کو ترکہ ملے تو ہر آدمی آدم کی اولاد ہے، ساری دنیا اس میں شامل ہوگی اور دنیا کے سب سے بڑے مال دار آدمی کا ترکہ بھی ہر انسان کو نہیں پہنچ سکتا اور ایسا کرنا عملاً محال بھی ہے۔

ہر انسان اپنی زندگی میں جو کچھ کماتا ہے اُسے اپنے قریب اہل وعیال، باپ دادا وغیرہ پر خرچ کرتا ہے اور مرنے کے وقت اس کے دل کا داعیہ ہوتا ہے کہ اس کا ترکہ اُس کے قریب سے قریب وارث کو ملے۔

جب مذکورہ بالا پانچوں باتیں تسلیم ہیں تو یہ بھی سمجھیے کہ انھیں اصول کی بنیاد پر باپ کے ہوتے ہوئے دادا کو نہیں ملتا ہے اور دادی وارث نہیں ہوتی ہے؛ حالاں کہ دادا دادی کمزور ضعیف اور محتاج بھی ہوتے ہیں، ماں کے ہوتے ہوئے میت کی نانی کو نہیں ملتا اور نانا کو بھی نہیں ملتا؛ حالاں کہ نانا نانی بھی ضعیف اور محتاج ہوتے ہیں اور بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے پوتیوں کو نہیں ملتا، چاہے اُن کے والد زندہ ہوں یا مر چکے ہوں بیٹی موجود ہو تو نواسوں نواسیوں کو ترکہ نہیں ملتا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کسی آدمی کے کئی بیٹے ہوں، ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے اور ان کی یتیم اولاد موجود ہو تو دادا کے ترکہ میں ان کا حق ہونا چاہیے؛ مگر یہ درست نہیں ہے، یہ موقف قرآن مجید کے خلاف ہے اور عقل ودانش کے بھی خلاف ہے کہ میت کے بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے

کو دے دیا جائے (جواہر الفقہ ۷/۵۳۷، زکریا بک ڈپو دیوبند)۔

ضروری نہیں کہ پوتا چچاؤں کے مقابلے میں محتاج و نادار ہوں، دوسرے یہ کہ غربت کو اگر میراث کا معیار بنایا جائے تو میراث کا خدائی قانون پامال ہو کر رہ جائے گا۔

اجماع صحابہ

قرآن پاک اور حدیث شریف سے استدلال اوپر ذکر کیا گیا، یہاں اجماع صحابہ پیش کیا جارہا ہے؛ چنانچہ علامہ ابن حزم ظاہری رقم طراز ہیں:

وَلا يَرِثُ بَنُو الابنِ مع الابنِ الذَّكَرِ شيئًا أباهم كانَ أو عَمُّهُمْ. وهٰذا نَصُّ كلامِ النبيِ صلى الله عليه وسلم (في قوله فلأولى رجلٍ ذكرٍ) وإجماعٌ مُتَيَقَنٌ. (المحلى ۲۷۱/۹)

ترجمہ: بیٹے کی موجودگی میں پوتے کسی چیز کے وارث نہیں ہوتے، ان کے باپ (زندہ) ہوں یا چچا زندہ ہوں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی صراحت ہے اور قابلِ اطمینان اجماع ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابہ کے درمیان علم فرائض میں بڑا اونچا مقام رکھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واعلمُها بالفرائض زیدٌ۔

ترجمہ: علم میراث میں زید ان میں سب سے بڑے عالم ہیں۔

ان کا ارشاد ہے:

ولد الأبناء بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ إذ لَم يَكُنْ دُوْنَهُمْ وَلَدٌ، ذَكَرُ ذَكَرُهم كذكرِهم وأناثهم كأناثهم يرثون كما يرثون ويحجبون كما يَحْجُبُونَ ولا يرث ولد الابن مع الابن. (بخاری، كتاب الفرائض، باب ۷، عینی ۲۳۸/۲۳)

ترجمہ: پوتے پوتیاں لڑکے لڑکی کے درجے میں ہیں، جب کہ اُن سے قریب کا کوئی لڑکا نہ ہو، ان کے لڑکے (پوتے) لڑکوں کی طرح اور ان کی لڑکیاں (پوتیاں) لڑکیوں کی طرح ہیں وہ وراثت پائیں گے جس طرح وہ (بیٹے بیٹی) وراثت پاتے ہیں اور حاجب بنیں گے جیسے وہ حاجب بنتے ہیں اور پوتا پوتی، بیٹے کے ساتھ وارث نہیں ہوتے۔

"يُوصيكم اللهُ في أولادكم" (نسائی: ۱۱) میں اولاد سے مراد بلاواسطہ صلبی لڑکے لڑکیاں ہیں اور اگر بیٹے نہ ہوں تو بیٹے کے بیٹے بیٹیاں اولاد کے قائم مقام ہوں گے اور یہ بھی نہ ہوں تو پوتے کے لڑکے اور لڑکیاں اولاد کے قائم مقام ہوں گے اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد مذکر کو دو مؤنث کے برابر والے قاعدے (نسائی: ۱۱) سے ترکہ تقسیم ہوگا۔

ناانصافی

اگر یتیم پوتوں کو دیا جائے اور جو بیٹے زندہ ہیں اُن کے بیٹوں کو نہ دیا جائے تو یہ بھی ناانصافی کی بات ہوگی کہ دادا کے ترکہ میں سے کچھ پوتوں کو ملا اور کچھ کو محروم رکھا گیا اور جن کے والد کو ملا ہے وہ اُن تک پہنچ جائے، اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے اور اگر پہنچے گا بھی تو اپنے والد کا ترکہ ہوگا، دادا کا ترکہ نہیں کہلائے گا۔

اشکال (۱) اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ روایت میں "لا یَرِثُ ولد الابن مع الابنِ" ہے، یہاں ابن سے مراد زندہ لڑکا ہے، زندہ لڑکے کا بیٹا ترکہ نہیں پائے گا اور جس کا والد مر گیا ہے اس کا لڑکا ترکہ پائے گا۔

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس عبارت کا یہی مطلب ہوتا تو عبارت یوں ہوتی "لا یرثُ الابن مع أبیہ" کہ بیٹا اپنے باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوگا۔
اشکال کرنے والے نے شریعت کے خلاف اپنے من سے یہ مطلب بنایا ہے۔
صحیح بات یہ ہے کہ بیٹا کی موجودگی میں ہر طرح کا پوتا اور ہر طرح کی پوتیاں محروم ہوتی ہیں، پوتے کے محروم ہونے والی عبارت کو زندہ بیٹوں کے بیٹے کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اشکال (۲): یتیم پوتے "اَبْعد" (دور) نہیں ہیں؛ اس لیے کہ جب باپ تھا تو یہ "ابعد" تھا باپ اقرب تھا، باپ کے مرنے کے بعد یہ پوتا اپنے باپ کی جگہ میں ہو کر قریب ہوگیا؛ اس لیے اقرب ہونے کی وجہ سے ترکہ ملنا چاہیے!

جواب: پوتا اپنے باپ کے واسطے سے ہی دادا کا پوتا ہوتا ہے اور یہ اَبعد ہی ہے، باپ کے زندہ ہوتے ہوئے بھی اور مرنے کے بعد بھی، دونوں صورتوں میں وہ پوتا ہی رہے گا، بیٹا نہیں بن سکتا اور نہ وراثت لینے کے لیے بیٹے کی جگہ آسکتا ہے۔

اس طرح اگر "ابعد" کو اقرب بنایا جائے تو بڑی خرابی لازم آئے گی، اقرب کے مرنے کے بعد ہر ابعد اقرب ہو جائے گا اور باپ کے مرنے کے بعد چچا اور پھوپی اور ماں کے مرنے کے بعد ماموں اور خالہ، باپ اور ماں کا ترکہ پالیں گی؛ حالاں کہ اس کا کوئی قائل نہیں، اس طرح تو اللہ کا بنایا ہوا نظام میراث درہم برہم ہو جائے گا، اللہ کے قانون کو ہم نہیں بدل سکتے۔

یتیم پوتوں کی مشکل کا حل

یتیم پوتوں کے ترکہ کے سلسلے میں جو احکام اوپر بیان ہوئے وہ قرآن وسنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہیں، اُن میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی چاروں مسالک متفق ہیں؛ اس لیے ان کو بدلنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر پوتا محتاج ہو تو اس کا سہارا کون بنے گا؟ کیا اسلام میں اس کی بے چارگی دور کرنے کی کوئی شکل ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ درج ذیل شکلوں میں اس کی آشک شوئی کا سامان موجود ہے۔

- سب سے پہلا ذمہ دار اس کا دادا ہے، محض دادا کی وجہ سے اسلام بدنام ہو رہا ہے، مسئلہ کا پہلا حل اسی کے ہاتھ میں ہے، اس کی دو شکلیں ہیں:

(الف) اگر وہ چاہے تو ہبہ کر دے، عطیہ کے طور پر جتنا چاہے دے دے؛ لیکن وہ اتنا ہی دے جس سے دوسری اولاد کا نقصان نہ ہو، (جواہر الفقہ ۷/۵۳۸) اور دے کر رجسٹرڈ کر دے؛ تاکہ بعد میں دوسرے ورثاء پریشان نہ کریں۔

(ب) اس کا دوسرا حل یہ ہے کہ وہ اپنے مال میں سے ایک تہائی یا اس سے کم کی وصیت کر دے اور اس کو رجسٹرڈ کر دے؛ تاکہ مرنے کے بعد پوتوں کو بھی مل جائے۔

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ کا مثالی اقدام

حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد پالن پوریؒ نے اپنے بڑے صاحب زادے مفتی رشید احمدؒ کے انتقال کے بعد اُن کے دونوں بیٹے مسیح اللہ اور سمیع اللہ کے لیے اپنے دو بیٹوں کے برابر وصیت کی، بیٹوں کو جمع کر کے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو ان کے لیے ایک تہائی ترکہ کی وصیت کر سکتا ہوں؛ مگر اس طرح تم سب کا حصہ کم پڑ جائے گا؛ اس لیے بہتر یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد ان دونوں کو اپنا دو بھائی تصور کر کے تقسیم کر لینا۔ اس پر سب نے ہامی بھری۔ جب تک زندہ رہے اپنے بیٹوں کی طرح ان کی پرورش فرمائی اور وفات کے بعد اُن کو وصیت کیا ہوا ترکہ ملا، ہر دادا کو ایسا ہی کرنا چاہیے؛ تاکہ یتیم کی پرورش ہو اور اسلام پر اعتراض کرنے والوں کی زبان بند ہو جائے۔

2- جب تک یتیم، نابالغ اور کمانے سے عاجز ہے تب تک اس کا نفقہ (خرچہ) چچا پر واجب ہے۔ (عالم گیری ۱/۵۸۵ کتاب النفقات)

علامہ شامیؒ نفقۂ اقارب کی ترتیب پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جب باپ کے پاس مال نہ ہو اور دادا، یا ماں، یا ماموں یا چچا خوش حال ہو جائے تو وہ اس پر کیے ہوئے اخراجات کے لیے رجوع کریں، اسی طرح اگر قریبی رشتہ دار موجود نہ ہوں تو دور کے رشتہ دار کو نفقہ دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر ماں خوش حال ہو تو ماں پر نفقہ ہوگا اور وہ بعد میں اس کے باپ سے وصول کرے گی، اسی طرح اگر باپ نہ ہو تو مذکورہ رشتہ داروں کو نفقہ پر مجبور کیا جائے گا۔ (رد المحتار ۵/۲۳۵ باب النفقة)

3- یتیم پوتے کا والد اگر ترکہ چھوڑ کر مرا ہو تو پوتوں کے لیے وہی کافی ہوگا۔ اس کو پریشانی نہیں ہوگی۔ اس صورت میں اگر چچا اور اس کے لڑکے غریب ہوں تو کیا ان یتیموں کا مال چچا اور چچازادوں کو دیا جائے گا؟ ہر گز نہیں!

4- انسانوں کے گزارے کے لیے ترکہ ہی ضروری نہیں ہے؛ اس لیے کہ بہت سے لوگ بچوں کو یتیم اور محتاج چھوڑ کر مر جاتے ہیں، آخر ان کی پرورش کا کوئی نہ کوئی انتظام ہو ہی جاتا ہے، اسی طرح اس محتاج یتیم کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ (جواہر الفقہ ۷/۵۳۸)

5- یتیموں کی کفالت کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے، سرکاری خزانہ سے اس کی کفالت ہوگی، اور اگر حکومت اسلامی ہے تو بیت المال سے یتیموں کو اخراجات دیے جائیں گے۔

6- اگر یتیم کا کوئی نہیں ہے تو عام مسلمانوں پر اس کا انتظام کرنا لازم ہوگا؛ اس لیے ضروری ہے کہ ”یتیم خانہ“ ہر علاقے میں ہو جو ان کی کفالت کرے!



میں اپنے مجاہدین کو کہتا ہوں کہ اپنی جان اور مال کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے، اللہ رب العزت فرماتے ہیں: خُذُوْا حِذْرَكُمْ۔ یہ جان اللہ کی امانت ہے اور اس کی حفاظت نہ کرنا یہ خیانت کے زمرے میں آتا ہے اور خود پر دشمن کو خوش کرنا اور دشمن کا حوصلہ خود ہی بڑھانا ہے، اور بہت شہادتوں کے سامنے آنے سے انسان کی فطرت ایسی ہے کہ اس کا حوصلہ کمزور ہوتا اور ٹوٹتا ہے، تو اپنی جان کی حفاظت بھی مسلمان پر فرض ہے اس کے لئے مادی طریقوں کو اپنانا بھی فرض ہے اپنی استطاعت کے مطابق، اور اس کے ساتھ ساتھ باطنی اور روحانی اعمال بھی مسلمانوں کا فریضہ ہے، اور اسباب کے اختیار کرنے کے بعد اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرنا اسے توکل کہتے ہیں۔ اور وہ توکل توکل محض ہے اور اسے اپنانا باطل ہے کہ انسان اسباب کو اختیار نہ کرے اور اندھیرے میں پڑا رہے کہ میں اللہ پر توکل کرتا ہوں، یعنی صرف اپنی سستی اور نیند پوری کرنے کی غرض سے کہ نیند کہیں خراب نہ ہو جائے۔

امیر تحریک طالبان پاکستان کے بیان سے اقتباس